وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 9	شمارہ 01	ربیع الاوّل 1436ھ	جنوری 2015ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المطفّفین	3
2	بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات		4
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے	سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ	14
5	کیا کبھی سینۂ دھرتی پر انسان جاہل بھی تھا؟	عبدالرشید ارشد	30
6	تحقیقی مقالہ کیسے لکھیں (1)	پروفیسر خورشید احمد سعیدی	34
7	جدید اسلامی سکولوں میں بھی ہم بچوں کو کیا پڑھا رہے ہیں	سیّد خالد جامعی	47
8	اہل علم کے تاثرات		53
9	پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں	محمد منظور انور	57
10	تبصرہ وتعارف کتب		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ المطفّفین میں بھی آخرت کا بیان ہے اور آخرت کے اثبات پر فطرتِ انسانی سے اس طرح استدلال ہے کہ انسان نے جب لوگوں سے اپنا حق وصول کرنا ہو تو پورا پورا لیتا ہے (گویا حقیقت میں انسانی فطرت میں عدل اور بھلائی سے محبت ہے) لیکن جب لوگوں کو اُن کا حق دینا ہو تو اس میں کمی کر دیتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان نیکی اور بدی کو برابر نہیں سمجھتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہے کہ نیک اور بد کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے (ورنہ انسان اپنے ساتھ ناانصافی پر ناراض نہ ہوتا)۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک ایسا عظیم دن ضرور آئے گا جس میں نیک اور بد تمام انسانوں کو ربّ العالمین کے حضور پیش کر کے ان کے اعمال کے مطابق ان کو بدلہ دیا جائے۔ اس کے بعد اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے سخت عذاب کی وعید ہے اور نیکوکار کے بہترین انجام کا ذکر ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جیسا کہ آج دنیا میں کافر لوگ اہل ایمان کا مذاق اڑا رہے ہیں اس طرح اُس دن اہل ایمان خوشحال ہوں گے اور کفار کا مذاق اُڑائیں گے۔

سورۃ المطففین (83)، آیات 36، رکوع 1

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَیلٌ لِّلمُطَفِّفِینَ O

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے

الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝

جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں

وَ اِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ۝

اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اُٹھائے بھی جائیں گے

لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

(یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں،

جس دن تمام لوگ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِىۡ سِجِّيۡنٍ ۝

سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں

وَ مَآ اَدۡرٰكَ مَا سِجِّيۡنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۝

اور آپ کیا جانتے ہو کہ سجین کیا چیز ہے۔ ایک ریکارڈ ہے لکھا ہوا

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝

اس دن (حساب کو) جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝

(یعنی) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں

وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۝

اور اس (دن) کو جھٹلاتا وہی ہے جو حد سے نکل جانے والا گنہگار ہے

اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝

جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ اِلَى اللّٰه أَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ

(متفق علیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو

أَحَبُّ البِلَادِ اِلَى اللّٰه مَساجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلادِ اِلَى اللّٰه أَسْوَاقُها

(مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے ناپسند جگہ بازار ہیں

الجَامعُ الصَّغِيْر فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1 مغربی اقوام کا حالیہ جبری منظّم تشدد و مظالم ____ اور مسلمان

یوں تو آج کی مغربی اقوام اپنی علمی برتری، صنعتی ترقی، سائنسی انکشافات کے گھمنڈ اور ایجادات کی بہتات کی وجہ سے تیسری دنیا کے انسانوں کو حشرات الارض سے زیادہ درجہ نہیں دیتے مگر اس ذہنیت کا نکتۂ عروج یہ ہے کہ یہ مغربی اقوام مسلمانوں کے بارے میں فطری طور پر (اور نفسیاتی طور پر بھی اپنے زوال کے خوف کے تحت) کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں حتیٰ کہ ترقی پذیر ممالک تو ایک طرف آج امریکہ اور تمام یورپی عیسائی ممالک مسلمانوں اور بالخصوص مسلمانانِ پاکستان پر اس لحاظ سے زیادہ ہی متوجہ ہیں۔ مغربی تہذیب کے یہ نمائندے دراصل یہود (صہیونیت) کے غلام ہیں۔ شاعرِ مشرق اور حکیم الامت علامہ اقبال نے ایک صدی پہلے کہا تھا

ع فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے

آج یہ حقیقت ہر آنکھوں والے شخص کو نظر آ رہی ہے۔

○ حال ہی میں امریکہ میں بدنامِ زمانہ عالمی خفیہ ایجنسی CIA کی ایک رپورٹ پیش ہوئی ہے جس پر تمام اقوامِ عالم بالخصوص مسلمان ممالک حیران و پریشان ہیں حتیٰ کہ امریکی عوام بھی اس ظلم کے خلاف آواز اُٹھا رہے ہیں اور امریکی ایوان میں منتخب نمائندے (جو عموماً مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں) بھی چیخ پکار کر رہے ہیں۔ گذشتہ چند ماہ میں امریکی پولیس نے بھی اپنے عوام

(افریقی نسل کے لوگ اور مسلمانوں) ہی کے خلاف ہتھیار اٹھار کھے ہیں۔ اس ظلم کے خلاف بھی امریکہ کے تمام بڑے شہروں میں مظاہرے جاری ہیں۔

○ حیرت ہے کہ اس بدنام رپورٹ میں جو کچھ کہا گیا اس کے حق میں CIA کا ایک سابق سربراہ تو بولا ہی ہے سابق امریکی نائب صدر نے بھی تعریف کی ہے کہ دراصل جمہوریت اور انسانی حقوق کا عالمی چمپئن بننے کے لئے یہ اقدام ضروری تھا۔

○ آج کی مغربی تہذیب (WESTERN CIVILISATION) جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ ہیں یونانی کلچر (CLASSICS) یعنی اولمپک گیمز وغیرہ اور رومی طرزِ حکومت۔ یہ دونوں عناصر جن پر یہ تہذیب استوار ہے وہ بربریت، ظلم، ناانصافی، محکوموں کے لئے جہنم اور جبر وقہر کی سفّاکی کا دوسرا نام ہے۔ ان دونوں تہذیبوں میں انسانی حقوق، احترامِ جان، عزت، آبرو، عصمت، شرم، حیا، اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ محکوموں کے لئے یونانیوں اور رومیوں نے جو طریقے نکالے تھے اور اس پر عمل کیا تھا اس میں ہر مخالف کو نشانِ عبرت بنا دینا کہ لوگ دیکھیں اور آئندہ حکومت کی مخالفت نہ کریں۔ وہ وحشیانہ سزائیں آج مغربی تہذیب کا حصہ ہیں اور امریکی (ویورپی) ایجنسیاں انہیں طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں (یہ سارے طریقے ہمارے لئے یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں ہے آج نیٹ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ TORTURE، ROMAN TORTURE اور GREECE TORTURE کے عنوانات سے جائیں تو دیکھنے والا شاید انہیں دیکھ نہ سکے)۔

☆ برصغیر میں 1835ء کی تعلیمی اصلاحات کے حوالے سے لارڈ میکالے کا نام بہت مشہور ہے یہ شخص رومی بربریت کا اتنا مدح خواں تھا کہ اس نے رومی عظمت پر ایک کتاب لکھی LAYS OF ANCIENT ROME۔ اسی سے یورپی استعمار کی ذہنیت اور تعلیمی پالیسی سمجھ میں آسکتی ہے۔ رومی سلطنت نے اپنے عروج کے دور میں 11 لاکھ افراد ٹارچر کر کے ہلاک کر دیے۔ بھوکے شیروں کے آگے غلاموں کو ڈال دینا تو اس پر مستزاد ہے جو ان عظیم لوگوں کے لیے 'شغل' یا 'انٹرٹینمنٹ' قسم کی چیز تھی۔

○ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی حکمرانوں نے مظالم ڈھائے ہیں مگر وہ قومیں خود بھی

اس کی مذمت کرتی ہیں مسلمان تو بہر حال ہر ظلم و جبر کے خلاف ہیں چاہے وہ مسلمان حکمرانوں نے کیا ہو اور چاہے اپنی غیر مسلم رعایا پر ہی کیوں نہ کیا ہو۔

مغرب کی حالیہ تہذیب اور اس کے نمائندہ ادارے اور شخصیات ان یونانی اور رومی مظالم کو OWN کرتی ہیں اور اسے اپنے تہذیبی تشخص اور برتری کے لئے ضروری خیال کرتی ہیں۔

○ دو عشرے قبل امریکہ میں لکھی جانے والی کتاب کا مصنف نا معلوم کس کیفیت میں یہ بات لکھ گیا ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، تہذیبوں کا تصادم (CLASH OF CIVILISATIONS) نامی کتاب کا مصنف سیموئیل پی ہنٹنگٹن اپنی کتاب کے صفحہ 42 پر لکھتا ہے:

> ''......1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافے پر تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا عنوان دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب میں برتری کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کرتے......''

○ یہی مظالم ایک دو صدی قبل برطانوی عالمی استعمار نے جنوبی ایشیا میں روا رکھے تھے یہی کچھ خلافت عثمانیہ سے چھینے گئے مسلمان علاقے میں مخالفت کرنے والوں سے روا رکھا گیا اور یہی کچھ آج بھی خفیہ ایجنسیوں کے نام سے دنیا کی محبوب ترین جمہوری اور انسانی حقوق کی علمبردار حکومتیں مسلمانوں کے ساتھ کر رہی ہیں اور یو این او کے نام سے جو ادارہ ہے وہ بدنام ہی اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہر ظلم چاہے وہ کشمیر میں ہو، فلسطین میں ہو، برما میں ہو یا افریقہ میں اس پر خاموش رہتا ہے اور داعش نے تین امریکی مار دیے تو عالمی فوجی اتحاد وجود میں آ گیا جبکہ اسی عرصے میں امریکی پولیس نے اس سے زیادہ نہتے عوام کو بلا جواز گولیوں کا نشان بنا دیا، اس کے خلاف UNO خاموش ہے۔ بقول شاعر

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

○ امریکی CIA کی حالیہ رپورٹ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اور ہر مسلمان جس کے علم میں یہ تفاصیل آئیں گی وہ اسی طرح بے چین ہو جائے گا۔ رہے وہ لوگ جو معلومات کے باوجود NGO'S کی ڈالرز کی صورت میں امریکی امداد کا نمک کھا کر اس نمک کو حلال کرنے کے لئے خاموش رہیں گے تو ان سے بظاہر ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے۔ اگر ان کے اندر کا ضمیر 'زندہ' ہے تو وہ بھی مغربی تہذیب کے ان رومن طرز کے ظلم وتشدد کو محسوس کر کے دکھی ضرور ہوں گے۔

○ فرق صاف ظاہر ہے افغان طالبان کی قید سے آزاد ہو کر قیدی مسلمان ہو جاتے ہیں اور گوانتا ناموبے میں امریکی قید کا احسان لے کر آزاد ہونے والے وہ دعا مانگتے ہیں جو بنی اسرائیل کے نبی (جنہیں مسلمان بھی بے حد عزت دیتے ہیں) حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے وقت کے فرعون کے لیے کی تھی

وَ قَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ O قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O (10:88-89)

''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال وزر دے رکھا ہے، ان کا مآل یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں۔ اے پروردگار! ان کے مال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک عذابِ الیم نہ دیکھ لیں۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے پر نہ چلنا۔''

اور ان کی یہ دعا بھی ان شاء اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی طرح قبول ہی ہو گی۔

---

2 پاکستان کے عوام میں فکری انتشار ______

مذہبی قیادت کی ذمہ داریاں برائے یکجہتی اور اِتحاد

○ اس بات کے لیے کسی طویل بحث اور دلائل لانے کی ضرورت نہیں ہے کہ دنیا میں عمومی طور پر اور ہمارے ملکِ پاکستان میں بالخصوص عوامی سطح پر ہی نہیں سیاسی و مذہبی قیادت میں بھی ذہنی اور فکری انتشار پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی مسئلہ پر بھی چاہے وہ مذہبی ہو یا سیاسی، انتظامی ہو یا تنظیمی، داخلی ہو یا خارجی، امن وامان کا ہو یا دہشت گردی کا ہر معاملہ میں مکمل اتفاق رائے تو دُور کی بات ہے غالب اکثریت کا کسی ایک رائے کا حامل ہونا بھی بڑی دُور کی بات ہے۔ سیاسی معاملات میں الیکشن ہی کو لے لیجیے ہمارے ملک میں بالعموم ووٹر حضرات کی کل تعداد میں اور جو ووٹ ڈالے جاتے ہیں ان میں 100 اور 40 کی نسبت ہے (ان میں کتنے جعلی ہوتے ہیں وہ الگ ایشو ہے) گویا اب 40 فیصد کل ووٹر حضرات میں جب آراء کی تقسیم ہوگی تو کئی سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہوکر بات کہاں تک گر جاتی ہے دراں حالانکہ یہ جماعتیں مل کر بھی عوامی نمائندگی کا حق نہیں رکھتیں اس لئے کہ 60 فیصد حضرات نے تو ووٹ ڈالا ہی نہیں، اسی طرح دوسرے معاملات پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اسی ذہنی وفکری انتشار کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں اجتماعی مسائل کے ساتھ ساتھ انفرادی جھگڑے، عدالتی مقدمات، ذہنی پریشانیاں اور نفسیاتی مسائل کا ایک پھیلا ہوا سیلاب ہے جو اہالیانِ پاکستان کو گھیرے ہوئے ہے، خواص تو اپنے پیسے اور لوٹی ہوئی دولت کے ذریعے اپنے مسائل پر ذرا قابو پاکر اپنا غم غلط کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مگر عوامی سطح پر یہ مسائل دن بدن شیطان کی آنت کی طرح بڑھتے اور پھیلتے جارہے ہیں۔

○ اس ضمن میں نوجوان طبقہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے اور ان مسائل سے متاثر ہے کہ ہر انسان کے لیے ابتدائی عمر ہی سیکھنے کی عمر ہوتی ہے۔ سات سال تک بچہ ماں (یعنی گھر اور والدین) سے سیکھتا ہے، پھر اساتذہ سے، پھر ماحول سے اور 20-25 سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بالعموم ہر معقول نوجوان اپنی زندگی کے مقاصد، اہداف اور نصب العین کا تعین کر چکا ہوتا ہے۔

○ ہمارے ملک میں ہماری نوجوان نسل (مرد وخواتین) آج جس ذہنی انتشار کا شکار ہے اورافراتفری،لوٹ کھسوٹ، بے ایمانی، وعدہ خلافی، بے راہ روی، بے مقصدیت اوراسلاف سے بیزاری کے جذبات کی فراوانی کے ماحول میں جدھر جارہی ہے وہ ایک قومی اورملّی المیہ ہے اس لئے کہ آج کا بچہ کل کا باپ ہے 15-20 سال بعد جب یہی نسل اس ملک خداداد پاکستان کی باگ ڈورسنبھالے گی تو وہ اس ملک کوکس طرح چلائے گی اس کا اندازہ آج کی حکومتوں کی کارکردگی کو سامنے رکھ کراوراخلاقی گراوٹ کوذہن میں رکھ کر بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

○ ان حالات میں بالعموم تو ذمہ داری ہرشہری کی ہے جو پچاس سال سے زیادہ عمر کا ہے کہ وہ اپنے اردگرد ہر گھر، محلّہ، فیکٹری، بازار، مسجد اور دیگر کام کرنے کی جگہوں پر اپنا کردار ادا کرے۔ پھراس کے اوپر تعلیم یافتہ افراد کی ذمہ داری ہے اس میں آسودہ حال طبقات کی ذمہ داری زیادہ ہے اس سے اوپر ذمہ دار طبقہ ہر سطح کی ہماری قیادت ہے وہ یوسی ناظم ہو یا ضلع ناظم اور چھوٹی سیٹ پر منتخب ہوا ہو یا بڑی سیٹ پر، وہ ملکی معاملات کی اصلاح کے لیے جوابدہ ہے اوراسی بات کا وہ حلف بھی اٹھاتا ہے۔ان سب طبقات سے اوپر ذمہ داری ہماری مذہبی قیادت کی ہے جو بجا طور پر دعویٰ کرتی ہے کہ اسلام کی نمائندگی اوراس کی تشریحات صرف انہی کا حق ہے اور اس بات میں کوئی مداخلت بھی قابل قبول نہیں ہوتی ـــــــ تو پھر مسلمانان پاکستان کے اس ذہنی وفکری انتشار کی اصلاح اوراس ضمن میں آگے بڑھ کر یہ بیڑا اٹھانا بھی انہیں کے کاندھوں پر آنے والی ایک ناگزیر ذمہ داری ہے۔

○ ہماری سیاسی ومذہبی قیادت کواپنے نجی، مسلکی، جماعتی اورفکری مسائل کے ساتھ ساتھ ملک میں ذہنی وفکری انتشار کوکم کرنے اور اتحاد وملّی یکجہتی (IDEALOGICAL ORIENTATION) پیدا کرنے کی بھرپورسعی کرنی چاہئے۔

○ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کے ہرشہری کواس ملک کے قیام کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے بھرپور جدوجہد (اور جہاد) کی توفیق دے تاکہ اس ملک اورعوام کا نظریاتی قبلہ مغرب کے بے بنیاد نظریات کی بجائے قرآن مجید بن جائے اور ہماری محبوب شخصیات (FAVOURITE STARS) فلمی دنیا کے STARS اور

کھیلوں کی دنیا کے STARS کی بجائے حضرت محمد ﷺ اور ان کے نشان زدہ STARS (اصحابی کالنجوم) بن جائیں۔

3 مجلس علمائے اسلام کے قیام کا خیر مقدم _ بارانِ رحمت کا پہلا قطرہ

○ ہمارے ملک میں جہاں جنگل کا قانون ہے۔ سیاسی میدان 'بنجر' اور کسی مثبت اور تخلیقی سرگرمی سے تہی دامن ہے۔ نظریاتی ہم آہنگی اور ملّی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے ہمارا وطن ایک ایسے خزاں گزیدہ باغ کا ماحول رکھتا ہے، جہاں عرصے سے کسی موسم 'بہار' یا بادِ بہاری کا گذر تک نہیں ہوا ـــــ وہاں گذشتہ دنوں ہمارے ملک کے ایک مذہبی طبقہ نے مجلس علمائے اسلام کے نام سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا ہے ـــــ جو ہمارے نزدیک بارش کا پہلا قطرہ اور ایک فرمانِ رسالت ﷺ کے مطابق مشرق کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے سے کم نہیں ہے۔

○ ہمارے ہاں گاہے گاہے پہلے بھی مذہبی اتحاد بنتے رہتے ہیں اور ملّی یکجہتی کونسل کو تو کئی بار بنتے بگڑتے دیکھ چکے ہیں۔ مگر اس کے تحت کوئی مفید کام نہیں ہو سکا۔ ہمارے نزدیک اس ناکامی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ان اتحادوں میں مختلف مسالک کے اکابرین شامل نہیں ہوتے بلکہ اکثر اصاغرین اور کم معروف قیادتیں جمع ہو جاتی ہیں جن کا اپنے ہی مسلک کے پیروکاروں میں کوئی مؤثر رول (ROLE) نہیں ہوتا۔ اجتماعی سطح پر جو فیصلے ہوتے ہیں (اور وہ فیصلے اصولی طور پر بڑے اچھے ہوتے ہیں) ان پر یہ کم زور اور کم معروف قیادتیں عمل درآمد نہیں کرا سکتیں لہٰذا نتیجہ ہمیشہ صفر رہتا ہے۔

○ قابل فہم بات یہی ہے کہ جیسے مذکورہ پلیٹ فارم مجلس علمائے اسلام وجود میں آیا ہے اسی طرح ہمارے بریلوی مسلک کے علماء پہلے اپنی سطح پر خود ایک قیادت پر اتفاق فرمائیں اسی طرح ہماری آرزو ہے کہ مسلک اہل حدیث کے علماء اور اہل تشیع اپنے اپنے 'گھر' یعنی مسلک کی سطح پر متحد و منظّم ہوں اور کسی ایک نظم میں پروئے جائیں اور ایک قیادت پر اتفاق فرمالیں۔

جہاں تک جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی کا تعلق چونکہ یہ کسی معروف مسلکی بنیاد پر نہیں کھڑی ہیں لہٰذا یہ چاہیں تو اوپر درج مسالک میں سے جس کے ساتھ

منسلک ہو جائیں یا بطریق اولیٰ خود اپنا ایک پلیٹ فارم بنائیں اور ملیّ یکجہتی کے لئے ایک قیادت پر اتفاق فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے اگر ـــــ ایسا ہو جائے اور پھر مستقبل میں کوئی ملیّ یکجہتی کونسل یا ملیّ اتحاد وجود میں آئے جس میں مسلک دیوبند، مسلک بریلی، مسلک اہل حدیث، مسلک شیعہ وغیرہ سب جمع ہو جائیں اور پھر وہ بھی ایک اسلامی قیادت (سمع وطاعت والی) پر جمع ہو جائیں تو یہ کام مسلمانانِ پاکستان کے لئے بہت بڑی خوش خبری ہوگی اور 14/اگست 1947ء (شب قدر 27 رمضان 1366ھ) کو اعلانِ قیامِ پاکستان کی طرح کا ایک تاریخی اہمیت کا حامل فیصلہ ہوگا۔

○ اس طرح کی مخلصانہ مساعی کے ضمن میں جو حضرات کوشاں رہتے ہیں ان سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں ہے تاہم نوجوان نسل کے مخلص ساتھیوں کے لئے عرض ہے کہ ہمارے ملک میں پاکستان دشمن قوتیں (جو اسلام کی دشمن بھی ہیں) کبھی ایسے اتحاد کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں اور چونکہ ایسے اتحاد کا قیام ان کے لئے موت کے پروانے سے کم نہیں ہوگا لہٰذا ـــــ یہ بات ان کے ایجنڈے میں ترکی میں سقوطِ خلافت (مارچ 1924ء رجب 1342ھ) کے وقت سے شامل ہے کہ مسلمان کبھی متحد نہ ہونے پائیں اور یہی سبق مغربی طاقتیں ہمارے ان لیڈران کرام کو بھی خوب تکرار کے ساتھ یاد کراتی ہیں جو ان کے نمک خوار اور ممنون احسان ہوتے ہیں کہ تمہارے ملک میں مذہبی و ملیّ یکجہتی آ گئی تو تمہاری موت ہے (جو دراصل مغربی طاقتوں کی موت ہوگی) لہٰذا ہمارے ہی سیاسی لیڈر/علماء کو بانٹ کر ان کی مالی سرپرستی کر کے اس ذہنی و فکری انتشار کا سبب بنتے ہیں۔

(یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ایسا 'ملیّ اتحاد' وجود میں آ جائے تو ہماری موجودہ مغرب زدہ قیادتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں آئندہ الیکشن میں بھی اگر اس طرح کے ایک پلیٹ فارم سے مذہبی قوتیں متحد ہو کر سامنے آئیں تو کسی دوسری پارٹی کا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہو سکتا۔)

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''خطباتِ مدراس'' کا ایک باب

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر رہے تو سلسلۂ سخن آگے بڑھے۔ میری پچھلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لیے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے۔ جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کیے ہیں وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسبِ حال اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوشِ توحید، کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُر پیچ زندگی کے راستے میں ایک ایک مینار قائم کر دیا ہے، جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے، جو ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کی پوری گائیڈ بک دے دے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پا لے۔ یہ راہنما سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ قرآن نے کہا:

يَـاَيُّهَـا الـنَّبِيُّ اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا O وَّ دَاعِيًـا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا O (الاحزاب:۳۳/۴۵،۴۶)

''اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوش خبری سنانے والا اور (غافلوں کو) ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور ایک روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا۔''

آپ ﷺ عالَم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں، نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستے کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے، جیسے حضرت یعقوب، حضرت اسحاق، حضرت اسماعیل علیہم السلام وغیرہ۔ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ۔ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہود و حضرت شعیب علیہم السلام۔ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسف و حضرت یونس علیہما السلام۔ لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج منیر سب کچھ بیک وقت تھا اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ علیہ الصلوٰت والتحیات تھے اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا۔ آپ ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا اس لیے آپ کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا، یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لیے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے اس کے لیے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے، جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت:

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے، تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے، طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لیے ایک کامل سیرت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لیے پیش نہیں کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی وتقلید کریں۔ لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیوں کر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرضی ومیتھالوجیکل قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے کہ پُر اثر ہونے کے لیے اور قابل عمل اور لائق تقلید ہونے کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اُترے۔

ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بفحوائے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْض۔ ''یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔'' دوام، بقاء ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی

سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں، ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے۔ گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ ان کے مذہب میں سیکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو ''تاریخی'' ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیروں کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گزر بھی نہیں۔ ان میں سے بہتر سے بہتر معلوم کیرکٹر وہ ہیں جو مہابھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخی کس کو کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانے کے کس دور اور دور کی کس صدی کے کس سال کے واقعات ہیں۔ اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں اور انھی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکی مزاج اور امریکی یورپین علماء کو شبہ ہے۔ مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سیکڑوں قیاسات سے اس کے حالاتِ زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسے پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کرسکتا۔ زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش، قومیّت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سالِ وفات، جائے وفات، ان میں سے ہر ایک مسئلہ سیکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اِس قدر فقدان

ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی، ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی۔ بایں ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہِ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرز کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر بے کار ہے کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہرحال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے، خواہ کسی طرح سے مٹے ہوں اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی اور کرن (Kern) اور ڈار مٹیٹر (Dar Metetar) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے، جو کبھی ہندوستان، چین اور تمام ایشیائے وسطیٰ، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیائے وسطیٰ میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اس کا مذہب، تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے۔ لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مؤرخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانۂ وجود کی تعیین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے۔ چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سیکڑوں پیغمبر آئے، لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہم السلام کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہرحال

گم ہیں۔اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں، ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندران بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ خود تورات جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق، جیسا کہ خود مصنّفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر اب جرمن اسکالرز نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں اور روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضادِ بیان سے سابقہ پڑتا ہے۔اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اخیر ایڈیشن کے آرٹیکل ''بائبل'' میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیلوں میں درج ہیں، مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے باقی انجیل طفولیت، انجیل برناباس، وغیرہ نامستند ہیں۔ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا تھا انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، وہ صحیح بھی ہے۔یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔60ء سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل، ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم، ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی و رومی متھالوجی کی محض نقالی ہے کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے۔چنانچہ شکاگو کے مشہور رسالہ روپن

کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے۔اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے؟۔

کاملیت

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں صرف تین چار ہی ہستیاں ہیں جو تاریخی کہی جاسکتی ہیں، لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں، مگر بایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بودھ کی زندگی کی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی۔ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ لڑکا تھا جس نے فطرتاً سوچنے والی طبیعت پائی تھی۔جوان ہونے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی۔اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشاف حقیقت کا دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔یہ خلاصہ ہے بودھ کے

متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زراسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں:

''زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ٹھیک متضاد ہے، اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے)۔ تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں، وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے، اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔''

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے:

''اس کے جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔''

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مؤرخین کے بیانات نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں یہ مضمون نگار لکھتا ہے:

''زرتشت کے زمانے سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔''

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے، اس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مرگیا۔ کیا ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کرسکتا ہے، اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لیے چراغ رہ بن سکتی ہے یا بنائی جاسکتی ہے؟

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، موجودہ

تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کیے لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچویں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے اور معتد بہ زمانے تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جانے کی رخصت چاہتے ہیں، رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں۔ اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ تورات استثنا کے اختتامی فقرے میں ہے:

> ''سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اسے اس مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑھا گیا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔'' ......

1۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف نہیں لیکن بایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

2۔ ان درسوں کے الفاظ ''آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔'' ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جن میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول سکتے ہیں اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جا سکتی تھی۔

3۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس 120 برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لیے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں۔ پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں 120 برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جانے دیجئے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ انسانوں کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونے کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور طریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں۔ ورنہ عام جزوی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرانولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لیے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں، مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووُں سے زیادہ ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل و اسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزارہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں اور پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گم شدہ اوراق از سرِ نو ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا، وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں۔ پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی 33 برس کی تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایتیں اوّلاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں۔ وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو

معجزے دکھالائے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں، یہودی ان کو پکڑ وا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے۔ تیسرے دن ان کی قبران کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم ازکم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیوں کر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی۔

جامعیت

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے، وہ سب اس ''آئیڈیل زندگی'' کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء ﷺ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اُترتی۔ مذہب کیا چیز ہے؟ خدا اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے۔ اس لیے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق وفرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈھیں گے وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے۔ اس لیے ان مذہبوں میں تو خدا، اس کی ذات وصفات اور دیگر حقوقِ الٰہی کا پتہ نہیں اور اس لیے ان کے بانیوں میں محبت الٰہی، خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی

تلاش ہی بیکار ہے۔ دوسرے وہ مذاہب ہیں جنھوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے۔ ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگی میں بھی خداطلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں اور ان کے کیا اعتقادات تھے اور پھر ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں۔ پوری تورات پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقات قلبی، اور طاعت وعبادت اور خدا پر توکل ویقین، خدا کے صفاتِ کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے۔ مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لیے ان کو اِس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے۔ انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے۔ بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرماں برداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب وروز میں کبھی جھکتا بھی تھا اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی۔ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو۔ پھر ایسی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو نیس میں میں تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلہ کے لیے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجیے تو اس سے بھی حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیانِ مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں۔ بودھ نے اپنے تمام اہل وعیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارگراں

سے سبکدوشی حاصل کی اور نرواں یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لیے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے۔ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابل تقلید ہو؟۔ اسی لیے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لیے قابل تقلید نہ بنی، ورنہ چین، جاپان، ویٹ نام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے، ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست و احباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا۔ صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا؟ بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیوں کر فائدہ اٹھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزّہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا۔ مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لیے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات اور عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، اور رہے گی۔ مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محکومی کی زندگی بسر کی، اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ

فرائض کی مثالوں سے خالی ہے۔ وہ متاہل نہ تھے، اس لیے ان دو جوڑوں کے لیے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے، اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لئے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی۔ جس نے گھربار، اہل وعیال، مال ودولت، صلح وجنگ، دوست ودشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لیے جوان ہی تعلقات سے معمور ہے کیوں کر مثال ہوسکتا ہے؟ اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کر لے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعتہً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیّت

’’آئیڈیل لائف‘‘ کا سب سے آخری معیار عملیّت ہے۔ عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کرسکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کرسکتا وہ عمل ہے۔ انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی وفلسفیانہ نظریے نہیں، بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن رہ جائے۔ اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذہب میں سے کوئی اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لیے آگے بڑھ سکتا ہے؟

’’تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے، تو اپنے مال واسباب کو خدا کی راہ میں دیدے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر۔ آسمان کی

بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔'' یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ صرف، معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں۔ جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کرسکتا ہے؟ جس کے پاس خود کچھ نہ ہو وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیوں کر سکتا ہے؟۔ جو عزیز واقارب، بیوی، بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لیے مثال کیوں کر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کا وعظ کیوں کر کہہ سکتا ہے، جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی؟

غور فرمایئے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی۔ مثلاً آپ پہاڑ کی ایک کھو میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لیے قابل اعتراض ہوگا۔ مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو وکرم، جود وسخا، مہمان نوازی، حق گوئی رحم، حق کی نصرت کے لیے جوش، جدوجہد، مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلب فعل اور عدم عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گی۔ نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوگا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو ''آئیڈیل لائف'' اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقاتِ خداوندی و تعلقات عباد، حاکمیّت ومحکومیّت، سکون وغضب، جلوت وخلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہئے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ ان ہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کو ان ہی مشکلات کے حل کرنے اور ان ہی تعلقات کو بوجوہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے۔ قولی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری

اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدی ﷺ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔ میں نے آج جو کچھ کہا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف اور نمونۂ تقلید بننے کے لیے جو حیات انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت، عملیت۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیاں ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحتِ الٰہی کے مطابق تھا، تا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف محمد رسول ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ''ختم نبوت'' کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖن

کیا کبھی سینۂ دھرتی پر انسان جاہل بھی تھا؟

عبدالرشید ارشد

جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے ہیں ہمیں اپنے سامنے روشنی اور اپنے پیچھے تاریک ماضی نظر آتا ہے۔ ہر دور کے انسان نے اپنے آپ کو ''جدید دور میں پایا'' تو ماضی کے انسان کا دَور اُسے تاریک نظر آیا اور ماضی بعید تو جہالت کا دَور قرار پایا کہ لوگ غاروں میں جنگلوں میں ننگے رہتے تھے، تہذیب و تمدّن ان سے کوسوں دُور تھا اور نہ جانے ماضی کے انسان کے حوالے سے کون کون سے تصورات کو ہم نے ''تاریخ'' کا حصہ بنایا اور اپنے دور کی روشن خیال تاریخ مرتب کرتے رہے۔

تخلیق کائنات کے منصوبے پر اگر بصیرت کی نظر ڈالیں تو یہ بات عقل و شعور تسلیم کرتے ہیں کہ خالق کائنات نے اپنی ہمہ نوع تخلیق کو نہ تو بلا مقصد پیدا فرمایا اور نہ ہی اسے بے شعور پیدا فرمایا بلکہ امر واقع تو یہ ہے کہ تخلیق کی جانے والی ہر چیز کی اپنی انفرادیت تو ضرور ہے مگر کارگاہِ حیات کی اجتماعیت میں بھی کسی نہ کسی پہلو سے ان کا عمل دخل ضرور ہے۔ یہ انسان ہوں، حیوان ہوں، پرندے ہوں یا دیگر حشرات الارض، سب کی حیثیت مسلّمہ ہے۔

خالق نے ہر نوع کی مخلوق کو سینۂ دھرتی پر پیدا کرتے وقت اس کی عملی زندگی کے لئے مطلوب، اپنے اپنے دور کے تقاضوں تک کو ملحوظ رکھتے مکمل عقل و شعور کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ تخلیق چیونٹی ہو، کسی قسم کا پرندہ ہو، درندہ ہو، کسی نوع کا حیوان ہو، ہر ایک کا الگ الگ سماج و معاشرہ ہے۔ مختلف ادوار میں محققین نے ان کے معاشرتی طرزِ زندگی پر تحقیق کر کے حیرت انگیز

انکشافات کیے ہیں، فلمیں بنائی ہیں۔ قرآن حکیم میں ملکہ چیونٹی کی ہدایت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسکراہٹ منقول ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے انسانیت نے سینۂ دھرتی پر قدم رکھا۔ تخلیق کائنات سے بہت پہلے خالق نے لوحِ محفوظ پر تخلیق کائنات کے جملہ مراحل، مخلوق کی زندگی آغاز سے انجام تک اور دنیوی انجام سے اُخروی انجام تک لکھ رکھے تھے جن کے مطابق بتدریج تخلیقی مراحل طے ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں، ہوتے رہیں گے۔ ان مراحل سے گذرنے والے انسان کے متعلق لوحِ محفوظ میں لکھے قرآن حکیم میں، جسے آج سے ساڑھے چودہ صدیاں قبل نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا' تحریر ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم" (ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا فرمایا) یہی نہیں بلکہ اسے سینۂ دھرتی پر خلیفہ بنایا۔

اب احسن تخلیق کیے گئے انسان کے لئے، جو دھرتی پر اللہ ربّ العزت کا نائب (خلیفہ) بھی نامزد ہے، کیسے فرض کرلیا جائے کہ ماضی میں وہ جاہل تھا، غاروں پتھروں میں حیوانوں کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ گویا وہ ماضی میں خلافت کی ذمہ داریوں سے آگاہ نہ تھا اگر یہ مان لیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جو انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم و قبیلے کی طرف مبعوث ہوئے وہ کارِ نبوت میں ناکام ہوئے یا معاذ اللہ انہوں نے دلچسپی نہ لی۔

تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل جنات کی آگ کے شعلے سے تخلیق میں ایک راز پنہاں تھا کہ ان کو نسل آدم علیہ السلام کے لئے وجہ آزمائش بنایا جانا تھا جس کا آغاز سجدہ سے جنات کے سردار ابلیس کے انکار اور پھر خالق کے سامنے اپنی روشِ انکار پر ڈٹ جانے سے ہوا۔ ابلیس کی قوم دو دھڑوں میں تقسیم ہوئی کہ نافرمان طبقہ جو نسل آدم کو گمراہ کرنے پر کمر بستہ ہوا شیاطین کہلایا اور اس گروہ میں شامل نہ ہونے والے جنات کہلائے مگر ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان آغاز سے انجام تک موجود ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیت کی عملی زندگی کے حوالے سے قرآن حکیم میں خود خالق نے وضاحت فرما دی کہ:

''ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ کارگہ حیات میں اسے اعمال کے لئے مکلّف ٹھہرائیں، اس کو سمجھ بوجھ عطا فرمائی اور اسے اچھے برے راستہ کا علم بھی دے

دیا اور پھر آزاد مرضی دی کہ اب وہ اچھا راستہ اپنا کر شکر گزار بن جائے یا برا راستہ اختیار کر کے ناشکرا بنے۔ ہم نے کافروں، نافرمانوں کے لئے طوق وزنجیریں اور آگ تیار کر رکھی ہیں۔'' (الدھر 34)

اچھے اور بُرے راستوں کی نشاندہی میں تسلسل قائم رکھنے کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کم وبیش سوا لاکھ انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے خالق کا پیغامِ حق اپنی اپنی اُمت تک پہنچایا اس انتظام کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ ماضی بعید کا انسان جنگلی مخلوق تھی، حیوانوں جیسی زندگی گزارتا تھا عقل وشعور کی نفی کرنا ہے۔ ماضی کا انسان بستیوں میں رہتا تھا یا جنگلوں میں ہر صورت ان کا سماجی و معاشرتی نظام تھا۔ ان میں ہدایت یافتہ بھی تھے اور رشد وہدایت سے دور بھی۔ یہی حال آج بھی ہے۔

ماضی کے انسان نے، جسے ہم غیر ترقی یافتہ اور غیر متمدن ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں، سدِّ معارب (معارب ڈیم) یمن میں تعمیر کیا تھا جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے کہ قوم سبا کے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتا تھا۔ قومِ عاد کے محلات ہوں، قوم صالح کے پہاڑوں کا سینہ چاک کر کے خوبصورت مکانوں کی تعمیر ہو، یا ''جدید ٹیکنالوجی'' کے بغیر تعمیر اہرامِ مصر ہوں، یا ''سدِ سکندری'' کی ذوالقرنین کے ہاتھوں تعمیر ہو، حضرت داؤد علیہ السلام کا فن زرہ سازی، حضرت نوح علیہ السلام کی کاشتکاری، قومِ نمرود کی بت سازی کیا سب کچھ بغیر فن جانے ممکن تھا؟

آج ہم علم وفن کے عروج کا علم بلند کرنے کے دعویدار ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری حیثیت محض خوشہ چینوں کی ہے۔ علم ان کے پاس تھا جن کے ہاں ''قدیم وجدید'' اور ''عصری وغیر عصری دینی تعلیم'' کی یونیورسٹیاں نہ تھیں۔

1. جابر بن حیان (آج بھی فادر آف کیمسٹری تسلیم کیا جاتا ہے) نے کس یونیورسٹی سے کیمیا (کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کی تھی؟۔
2. ابراہیم جندب ماہر فلکیات، محمد بن ابراہیم (746ء) ہیئت دان اور ماہر ریاضی تھا۔
3. جابر بن سنان، (سائنسی آلات کا موجد)۔
4. زکریا رازی (864ء) ماہر نباتات (باٹنی)۔

5. ابن مسکویہ (942ء) سائنسی نقطۂ نظر سے موجوداتِ عالم پر بحث کرنے والا پہلا سائنسدان۔

6. البیرونی (973ء) ماہر ہیئت دان، فلکیات، ریاضی دان۔

7. علی بن عیسیٰ (849ء) ماہر امراض چشم۔

8. ابن خرداذبہ (820ء) جغرافیہ نگار۔

9. ابوعثمان جاحظ (776ء) ماہر علوم حیوانات، تصنیف ''کتاب الحیوانات سات جلدوں میں ہے''۔

یہ طویل فہرست سے چند نام ہیں ورنہ مختلف ادوار میں عقل وبصیرت کے شاہکار ملتے ہیں اہرام مصر کی تعمیر پر نظر ڈالیے جہاں موجودہ دور کی بھاری جدید مشنری نہ تھی۔ بھاری پتھر کہاں سے کیسے کھینچ کر مقامِ تعمیر تک لائے گئے، مخروطی ساخت میں تراشنا اور پھر ان بھاری پتھروں کو ایک دوسرے پر اس طرح نصب کرنا کہ لائن بالکل سیدھی رہے کیسے ممکن ہوا۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عقل و شعور ہر دور کے انسان کا سرمایۂ زندگی تھا۔ آج ہم ہی عقل وشعور کے ٹھیکیدار نہیں ہیں۔

اوپر ابوعثمان جاحظ کا ذکر بطور ماہر علوم حیوانات ہوا ہے۔ وہ کون تھا اور ماہر کیسے بنا اسی کی زبانی سینے۔ عملی زندگی میں آگے بڑھنے کے خواہش مندوں کے لئے یہ نشانِ راہ ومنزل ہے: ''بچپن میں والد کا انتقال ہوگیا۔ گھر میں غربت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ والدہ خود تو فاقہ برداشت کر لیتی مگر میری بھوک اس سے دیکھی نہ جاتی تھی، ایک روز وہ مجھے کتابوں کی ایک دکان پر کام کے لئے اس شرط پر دکاندار کے سپرد کر آئی کہ وہ مجھے دو وقت کھانا کھلا دیا کرے گا۔ میں دکان کی صفائی کرتا، کتابوں پر پڑی گرد جھاڑتا اور کوئی نہ کوئی کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتا۔ ایک روز دکان پر بیٹھا تھا کہ دکان کے سامنے کھڑی ایک متمول عورت نے مجھے اشارے سے پاس بلایا اور جونہی میں اس کے پاس گیا وہ ایک طرف چلی گئی اور مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دور وہ ایک سنار کی دکان میں گھسی، سنار کے ساتھ بات کرتے میری طرف اشارہ کیا اور دکان سے باہر نکل کر مجھ سے بات کیے بغیر چلی گئی۔ میں کچھ دیر کھڑا رہا پھر دکان دار سے پوچھا کہ وہ عورت میرے لیے کیا کہہ گئی ہے۔ دکاندار نے کہا کہ وہ عورت اپنے لاکٹ پر شیطان کی تصویر بنانا چاہتی تھی۔ میں نے شیطان کی تصویر نہ دیکھی تھی وہ تمہیں میرے سامنے کھڑا کر کے کہہ گئی کہ ہو بہو ایسی تصویر بنا دو۔ یہ شیطان سے مشابہ ہے''۔

جاحظ بدصورت بچہ تھا۔ عورت نے بدصورتی کا مذاق اڑایا مگر قدرت نے اس بدصورت کو تاریخ کے آئینے میں انسانیت دوست ماہر حیوانات کے روپ میں متعارف کرایا۔ اس میں کتب فروش کا حصہ تھا کہ اس نے بچے کا شوق دیکھ کر اس کی تعلیم کا انتظام کیا تھا۔

ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی اور شہادۃ العالمیہ کا

تحقیقی مقالہ کیسے لکھیں (1)

(علوم اسلامیہ وعربیہ کے طلبہ کے لیے جدید رہنما اصول اور طریقے)

پروفیسر خورشید احمد سعیدی

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

(بشکریہ ماہنامہ متاعِ کارواں بہاولپور، دسمبر 2014ء)

پاکستانی جامعات اور بعض دینی مدارس میں علوم اسلامیہ وعربیہ کے طلبہ کے لیے مروّج نصاب تعلیم اور تدریب وتربیت کے آخری مرحلہ کی ایک قابل ستائش خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو آخری درجہ، سمسٹر یا سال میں ایک تحقیق طلب موضوع پر مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرف اس موضوع پر اُن کے علم میں وسعت آتی ہے تو دوسری طرف تصنیف وتالیف کی صلاحیت میں اِضافہ کے ساتھ ساتھ تحقیق وتفتیش اور تعمّق وتدقیق کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اس علمی مشق سے گذرنے کے بعد وہ عملی زندگی میں مسائل کا جواب بہتر انداز میں دینے کے لیے آسانی محسوس کرتے ہیں۔

گذشتہ کئی سالوں کے دوران کئی مقالات کے موضوعات تجویز کرنے اور پھر تکمیل شدہ مقالات کی جانچ پرکھ کے تجربات سے ایسے اُمور سامنے آئے ہیں جن میں بہتری کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ علوم اسلامیہ وعربیہ کے لیے موجودہ نظامِ تعلیم وتربیت ایسا ہے کہ ان کے طلبہ کی ایک بھاری اکثریت میں اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اور بعض طلبہ جو اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کر سکتے ہیں وہ تحقیق کے ابتدائی مراحل کا مناسب علم نہ ہونے کی وجہ سے ایک قابل تعریف مقالہ تیار نہیں کر سکتے۔ یہ صورتِ حال صرف دینی مدارس کے طلبہ تک محدود نہیں، یونیورسٹیوں کے طلباء وطالبات کی اچھی خاصی تعداد کا بھی یہی حال ہے۔ اس لیے زیرِنظر صفحات میں انتخابِ موضوع کے طریقے اور اس کے خاکہ کی تیاری کے اُصول واضح

کیے گئے ہیں تاکہ تعلیم وتربیت کے اس مرحلے کے ضرورت مند طلبہ و طالبات اس سے اِستفادہ کریں اوراپنی مشکلات آسان کرسکیں۔

تحقیق کے میدان اور موضوع کی نوعیت:

قابل تحقیق موضوع کے انتخاب سے پہلے اس کی نوعیت اور طبیعت کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔آپ کس قسم کے موضوع میں رغبت رکھتے ہیں؟ کس علم یا فن میں آپ کی طبیعت کا میلان پایا جاتا ہے؟ آپ کے نزدیک کس شعبۂ زندگی میں تحقیق کرنی چاہیے؟ ذاتی اور شخصی ترجیح کے باوجود یہ بات پیشِ نظر اور ذہن نشین رہے کہ طلبہ کو ابتدا سے کیا علوم پڑھائے گئے ہیں کیونکہ تعلیم وتربیت کے مختلف درجات کے نصاب میں جو کچھ انہیں سکھایا گیا اس سے باہر کوئی موضوع منتخب کرکے اُس پر مقالہ لکھنا بہت مشکل اور شاید ناممکن ہوگا۔

علوم اسلامیہ وعربیہ کے موجودہ اور مروّج نصابِ تعلیم میں عموماً جو علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں ان میں (۱) تفسیر، (۲) اصول التفسیر، (۳) حدیث، (۴) اُصول حدیث، (۵) سیرت، (۶) عربی ادب، (۷) اُصول الفقہ، (۸) بلاغت، (۹) تاریخ، (۱۰) تجوید، (۱۱) صرف، (۱۲) عقائد، (۱۳) فرائض، (۱۴) فقہ، (۱۵) کلام، (۱۶) فن المناظرہ، (۱۷) منطق، (۱۸) نحو اور (۱۹) فلسفہ قدیمہ شامل ہیں۔

دورانِ تعلیم انہی علوم وفنون پر زیادہ توجہ رہتی ہے اور طلبہ انہی سے متعلقہ محدود مصادِر و مراجع سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔تاریخ کے وسیع وعریض دامن میں پھیلے یہ علوم وفنون اپنے اپنے دائرے میں مزید شعبوں میں بھی تقسیم ہو جاتے ہیں۔اس طرح ان علوم وفنون کا ایک طرف ماضی ہے تو دوسری طرف معاصر رُجحانات۔اس لیے ایک مقالہ نویس کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ ان علوم میں سے کس میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے؟ وہ ان علوم وفنون کے کس شعبے میں تحقیق کرنے کا میلان اپنے اندر پاتا ہے؟ کیا وہ ان علوم کے تاریخی پہلو اور ماضی کی تحقیقات میں تحقیق کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا کہ ان کے معاصر رُجحانات میں سے کسی کو اپنی تحقیق کا میدان بنانا چاہتا ہے؟ موضوع کے انتخاب میں یہ ابتدائی قدم شمار کیا جاتا ہے جسے سوچ سمجھ کر اٹھانے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔

ان علوم کی کچھ شاخوں کو اِجمالی طور پر درج ذیل جدول میں دیے گئے کچھ میدان ہائے

تحقیق میں ذکر کیا گیا ہے۔ سوچیے کہ آپ کس میدان اور شعبۂ علوم میں دلچسپی رکھتے ہیں؟ جس میں آپ کا میلان ہو اس سے متعلق کتب پڑھنے کی عادت اور ماہرین فن سے تعلق بڑھائیں۔

علوم القرآن	تفسیر قرآن	اُصول تفسیر قرآن	مناہج المفسرین
تفسیر بالماثور	تفسیر بالرائے المحمود	تفسیر بالرائے المذموم	تفاسیر غیر اہل سنت
فقہی تفاسیر	صوفیانہ تفاسیر	کلامی تفاسیر	بلاغی تفاسیر
علوم الحدیث	اسماء الرجال	عربی میں شروح الحدیث	فارسی میں شروح الحدیث
اُردو میں شروح الحدیث	مناہج المحدثین	تاریخ الحدیث	تدوین حدیث
فقہ اسلامی	اصول فقہ	آیات الاحکام	احادیث الاحکام
فقہ حنفی	فقہ شافعی	فقہ مالکی	فقہ حنبلی
سیرت نبوی	فقہ السیرۃ	اسلامی معاشیات	مسلم اقلیات
عالم عرب کی اسلامی تاریخ	جنوبی ایشیا کی اسلامی تاریخ	افریقہ میں اسلام کی تاریخ	اندلس کی اسلامی تاریخ
یورپ میں اسلام کی تاریخ	شمالی امریکہ میں اسلام کی تاریخ	جنوبی امریکہ میں اسلام کی تاریخ	وسطی ایشیاء میں اسلام کی تاریخ
مسلم غیر مسلم جنگیں	مدارس کا نظام تعلیم	سکول کالج میں اسلام کی تدریس	عدلیہ اور قانون
انسانی حقوق	مسلمانوں کے عائلی قوانین	مسلمانوں کے سماجی مسائل	مکالمہ بین المذاہب
فلسفہ اور منطق	علم الکلام	حقوق نسواں کی تحریکیں	مذہبی تحریکیں
استشراق اور قرآن	استشراق اور حدیث نبوی	استشراق اور سیرت نبوی	استشراق اور فقہ اسلامی
مسلم مسیحی تعلقات	مسلم یہودی تعلقات	مسلم ہندو تعلقات	مسلم بدھ تعلقات
مذہبی سیاست	تصوف اور شریعت	اخلاقیات	معاصر اسلامی فکر
تصوف اور سلسلہ قادریہ	تصوف اور سلسلہ سہروردیہ	تصوف اور سلسلہ نقشبندیہ	تصوف اور سلسلہ چشتیہ
مسلم فرقے اور مسالک	پاکستان میں تعلیمی پالیسیاں	نصاب تعلیم اور قرارداد مقاصد	معاصر قانون اور شریعت

علومِ اسلامیہ وعربیہ میں تحقیق کے حوالے سے ایک اہم میدان غیر مسلموں کے مطالعات اور تحریریں ہیں۔ اہل علم اور اصحابِ فکر و دانش جانتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ وعربیہ کا مطالعہ

مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی کئی غیر مسلم اقوام نے گذشتہ کئی صدیوں سے کیا ہے۔ خصوصاً یورپی اور امریکی ممالک میں رہنے والے یہود و نصاریٰ نے تو علومِ اسلامیہ وعربیہ پر اپنی تحقیقات سے کتب خانوں کو بھر دیا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے اپنے اغراض و مقاصد، تغیر پذیر اہداف اور متنوع مناہج تحقیق ہیں۔ علوم اسلامیہ وعربیہ میں جس طرح انہوں نے ماضی میں ہزاروں کتب لکھیں اسی طرح آج بھی وہ مسلمان فرقوں، مدارس دینیہ، بین المسالک روابط اور بین المذاہب تعلقات، اور معاشرت وسیاستِ مسلمین پر تسلسل سے مطالعے کرتے، سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد کرتے اور اپنی ترقی اور غلبے کی بقا کے لیے پالیسیاں وضع کرتے ہیں۔ اس طرح کی بعض کاوشوں کو اِستشراق کا نام بھی دیا جاتا ہے جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آج کے مسلمان کو اس طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے علوم اسلامیہ وعربیہ کے طلباء چاہیں تو اپنے تحقیقی مقالہ کا موضوع اس میدان سے بھی منتخب کر سکتے ہیں۔

ایک اور لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ موضوع کی نوعیت اور طبیعت کبھی انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی بھی۔ مثلاً مذکورہ علوم وفنون میں سے کسی ایک میں مشہور اِمام یا شخصیت کی خدمات اور تفردات پر تحقیق کرنا موضوع کی انفرادی طبیعت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اگر ان علوم وفنون کے متعدد آئمہ یا شخصیات کی آراء، اَقوال، مذاہب یا خدمات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ موضوع میں وُسعت اور اس کی اجتماعی طبیعت کی طرف اِشارہ کرتا ہے۔ ایک مقالہ نویس اپنے اَغراض ومقاصد کے پیش نظر اس قسم کا موضوع بھی منتخب کر سکتا ہے۔

علوم اسلامیہ وعربیہ کے طلباء جو نصاب پڑھتے ہیں اس میں شامل موضوعات کو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان علوم کی دو قسمیں علوم عالیہ اور علوم آلیہ کے لحاظ سے بھی کی جاتی ہیں۔ اس تناظر میں بھی موضوع کی نوعیت اور طبیعت سمجھی جا سکتی ہے ایک مقالہ نویس اپنی ترجیحات اور میلانات کے پیش نظر نصاب کے اس شعبہ سے موضوع کا انتخاب کر سکتا ہے۔ جو طالب علم مستقبل میں وسیع میدان میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتا ہو تو اسے معاملات اور اخلاقیات سے جڑے موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے۔

موضوعِ تحقیق اِنسانی زندگی اور معاشرے کے کسی نہ کسی شعبے یا مسئلے سے جڑا ہوتا ہے۔

اس لیے موضوع کو منتخب کرنے کے لیے ایک شعبۂ زندگی پر بھی توجہ مرکوز کی جاسکتی ہے۔ مثلاً سیاست و قانون، معیشت و اقتصادیات، نظام معاشرت و خاندان، اَدیان و مذاہب، مکالمہ بین المذاہب، نظام تعلیم و تربیت، تعلقاتِ عامہ، بین المُمالک و المِلل روابط، تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب، مختلف مذہبی و غیر مذہبی تحریکات، فیکٹریوں اور انڈسٹریوں کا نظام، نظام زراعت و باغبانی ، نظام عدل و انصاف، نظام انتظام و انصرام وغیرہ۔ دین اسلام چونکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے اس لیے علوم اسلامیہ کے ایک مقالہ نویس کا پہلا قدم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور معاشرے کے ان پہلوؤں اور شعبوں میں تخصص کے لیے کسی مناسب و متعلق مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے ایک قابل تحقیق موضوع کا انتخاب کرے۔

کسی حد تک تحقیق کے مختلف میدان اور شعبہ ہائے علوم و فنون جاننے کے بعد اب آیئے دیکھیں کہ انتخابِ موضوع کے مراحل کیا ہوتے ہیں؟ اس سلسلے میں کون سے وسائل ممد و معاون ہوتے ہیں؟ اور اس سلسلے میں کیا طریقے اختیار کیے جاتے ہیں؟

انتخابِ موضوع کے مراحل، وسائل اور طریقے:

مقالہ نویسی کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ ایک قابل تحقیق موضوع کا انتخاب ہے۔ لہٰذا تحقیق کے لیے ایک اچھا موضوع کیسے منتخب کیا جائے؟ موضوع چاہے انفرادی نوعیت کا ہو یا اجتماعی، وہ چاہے ان علوم و فنون میں سے نکلا ہو جو کسی طالب علم کو اس کی مادرِ علمی نے سکھائے یا ان سے باہر کا ہو، وہ چاہے انسانی زندگی اور قومی یا بین الاقوامی معاشرے کے کسی شعبے سے جڑا ہو، کچھ بھی ہو یہ انتہائی سنجیدگی سے کرنے والا کام ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس تک کیسے پہنچا جائے؟ اسے کیسے دریافت کیا جائے؟ یہ کام دراصل انتخاب موضوع سے پہلے کرنا پڑتا ہے اور موضوع پر عملاً تحقیقی کام شروع کرنے سے کئی سال یا کئی ماہ پہلے کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل طریقے انتخابِ موضوع میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

جس طالب علم یا محقق نے تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے وہ سب سے پہلے مذکورہ بالا جدول میں سے تحقیق کا ایک میدان یا شعبہ منتخب کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ مختلف ذاتی کتب خانوں اور عوامی لائبریریوں میں نہ صرف آمد و رفت رکھتا ہے بلکہ وہاں مہیا کیے گئے مختلف دائرہ ہائے

معارف، انسائیکلوپیڈیے، معاجم، قوامیس، ڈکشنریوں، کتب، رسائل و جرائد، اخبارات، مخطوطات، اشاریہ جات، وغیرہ سے شناسائی پیدا کرتا ہے تاکہ اپنی پسند کے شعبہ سے متعلق کام اور دستیاب مواد کو جان سکے۔ مواد کے سرسری جائزے کے بعد وہ اُس شعبے کی کسی ذیلی شاخ کو منتخب کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اُس شاخ کے کسی ایسے پہلو کو چُنتا ہے جو نہ صِرف اہم ہو بلکہ مقالہ لکھنے کے لیے دی گئی مدت کے اندر اُس پر تحقیق مکمل ہو بھی سکے۔

اس سلسلے میں ایک انتہائی مفید مشورہ یہ ہے کہ ان لائبریریوں کے سربراہان بالخصوص لائبریرین حضرات اور اُن کے عملے سے مخلصانہ دوستی بنانا چاہیے کیونکہ اس سے بہت سی مشکلات حل ہوتی ہیں اور کئی پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔

مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں دستیاب کتب کی فہرست آج کل انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن بھی مل جاتی ہے۔ مثلاً ہر پاکستانی یونیورسٹی کا ویب سائٹ ایڈریس اور ان سب کی فہرست ایک جگہ دیکھنا چاہیں تو یہ آپ کو ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کی ویب سائٹ (www.hec.gov.pk/OurInstitutes/Pages/Default.aspx) پر مل سکتے ہیں۔ وہاں سے جس یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر جائیں گے وہاں اسی لائبریری کا کیٹالاگ (OPAC) آن لائن ملے گا۔ اس کیٹالاگ میں تلاش کے ذریعے اپنی ضرورت کی کتب اردو، عربی اور انگریزی وغیرہ زبانوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ تلاش کتاب کے نام سے اور مصنف کے نام سے بھی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک طالب علم اگر انٹرنیٹ کو استعمال کرنے کا فن سیکھ لے تو اپنے گھر یا اپنے ادارے میں بیٹھے بیٹھے معلوم کر سکتا ہے کہ اس کی دلچسپی کی کتاب کس لائبریری میں مل سکتی ہے۔ اسی غرض سے حکومت پاکستان نے آج کل لائق اور قابل تعریف نتائج دِکھانے والے طلبہ کو لیپ ٹاپ کمپیوٹر دینے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے تاکہ محنت کرنے اور تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں اور وہ کم وقت میں ملکی ترقی کے لیے تحقیقی کام کر سکیں۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کی ایک اور ویب سائٹ ایسی بھی ہے جس پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تکمیل شدہ مقالہ جات پی ڈی ایف فارمیٹ میں دستیاب ہیں۔ وہ یہ ہے: (http://eprints.hec.gov.pk/view/subjects/g18.html)۔ اُن مقالات

کے کسی ایک باب کو یا پورے مقالہ کو ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ان کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس مختلف قسم کے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔

اپنے تحقیقی مقالہ کے موضوع کو منتخب کرنے کے لیے عوامی لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں کے علاوہ مدارس اور جامعات کے اندر تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور اِسکالرز سے ملاقاتیں اور مشورے کر کے بھی اپنی پسند کا موضوع منتخب کیا جا سکتا ہے، بالخصوص ایسے پروفیسر صاحبان جو کسی تحقیقی ادارے میں کام کرتے ہوں یا ایم اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح کے مقالہ جات کی نگرانی کرتے ہوں وہ چونکہ عملاً تحقیقی کام میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے وہ بہتر رہنمائی کرسکتے ہیں۔ ایسے اہل علم سے ملاقاتیں قابل تحقیق موضوع کے انتخاب میں بہت مفید ہوتی ہیں۔علوم عربیہ واسلامیہ سے منسلک علماء اور محققین پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ملتے ہیں اور وہ تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کو نہ صرف اپنا قیمتی وقت دیتے ہیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ ایسی ملاقاتوں میں تحقیقی مزاج رکھنے والے طلبہ کی جو فکری تراش وخراش اور تہذیب ہوتی ہے اس سے اپنی پسند کے موضوع کو منتخب کرنے اور اس کے مختلف گوشوں کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ان کے پاس جب جائیں تو ڈائری اور قلم سنبھال کر ادب واحترام سے بیٹھیں، صِرف مطلب کے سوالات پوچھیں اور ضروری باتیں لکھتے جائیں۔ایسے لوگوں کے پاس برائے ملاقات جاتے وقت اگر ایک بڑی یو ایس بی یا ہارڈ ڈِسک لے جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو بہت سا جمع شدہ مواد بھی مل جائے۔اس سے آپ کا وقت بچے گا اور ذہنی کوفت سے نجات مل سکے گی۔

دنیا بھر کی طرح پاکستانی یونیورسٹیوں اور بڑے شہروں کے مختلف اداروں میں وقتاً فوقتاً کئی موضوعات پر علمی وتحقیقی سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں شرکت کرنے سے موضوع کی تلاش میں سرگرداں طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ وہ انھی سیمینارز اور کانفرنسوں میں نہ صرف مختلف علوم وفنون کے جدید مسائل اور پہلوؤں سے واقف ہو سکتے ہیں بلکہ ان میں اپنے مقالات پڑھنے والے محققین سے شناسائی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہاں اُن سے ملاقات اور دلچسپی کے موضوع پر مشورہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اُن کا رابطہ نمبر یا ای میل لکھ لینے سے بعد میں بوقتِ ضرورت بہت فائدہ ہوتا ہے۔اس لیے وقتاً فوقتاً پاکستانی یونیورسٹیوں کی ویب سائٹوں

کو دیکھتے رہنا چاہیے۔ وہاں منعقد ہونے والے سیمینارز اور کانفرنسوں کے اعلان، موضوعات اور انعقاد کی تاریخوں کی تفصیل دی ہوتی ہے۔ وقت نکال کر ان میں شرکت کرنی چاہیے۔ اس سے دلچسپی کے موضوع پر معلومات کو وسیع کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

انٹرنیٹ کی ایک اہم اور معلوماتی ویب سائٹ (www.conferencealerts.com) ہے۔ یہ ایک سال کے دوران دنیا میں کسی بھی ملک میں ہونے والی اہم کانفرنسوں کی اطلاع اور بنیادی معلومات بہت پہلے مہیا کرتی ہے۔ اگر آپ کسی ملک میں مختلف شعبوں کی کانفرنسوں کے موضوعات اور انعقاد کی تاریخیں اور مقامات جاننا چاہیں یا کسی ایک میدان اور شعبہ علوم میں منعقد ہونے والی دنیا بھر کی کانفرنسوں کی تفصیل جاننا چاہیں تو یہ ویب سائٹ آپ کو بنیادی اور ضروری معلومات مہیا کرتی ہے۔ تحقیقی ذہن اور اضطرابی مزاج رکھنے والے لوگ وقتاً فوقتاً اس ویب سائٹ سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے ادارے اپنے سیمینارز اور کانفرنسوں کا وڈیو ریکارڈ بھی تیار کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض ان وڈیوز کو انٹرنیٹ پر بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم ان سیمینارز میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکا ہو تو وہ ان وڈیوز سے استفادہ کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اکثر ٹی وی چینلز پر دینی، علمی اور تحقیقی پروگرام، مذاکرے اور مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں خبریں مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بہت سے قومی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل نے محققین کے استفادے کے لیے گذشتہ کئی سالوں کے اخبار و رسائل ''آرکائیو'' یا ''گذشتہ شمارے'' کے نام سے آن لائن مہیا کیے ہیں۔ انگریزی میں گذشتہ شماروں کو Archive اور عربی زبان میں انہیں **''الأرشيف''** یا **''الأعداد السابقة''** یا **''الأعداد الصادرة''** بھی کہتے ہیں۔ لاہور میں 'پنجاب آرکائیوز' اور اسلام آباد کی بعض لائبریریوں میں بھی آرکائیو کا شعبہ بنایا گیا ہے۔ ہمدرد یونیورسٹی کراچی کی لائبریری میں شعبہ 'نادر کتب' بھی ہے۔ ان سے واقفیت اور شناسائی مناسب موضوع کے انتخاب میں بہت فائدہ دیتی ہے۔

اسی طرح بہت سے رسائل ایسے ہیں جن کے مدیر صاحبان نے ان کے اشاریے مرتب کر کے شائع کیے ہیں۔ مثلاً ادارہ تحقیقات اسلامی نزد فیصل مسجد اسلام آباد نے اپنے علمی

مجلّے ''فکر ونظر'' کا اشاریہ دو جلدوں میں شائع کیا ہے تیسری جلد اشاعت کے مراحل میں ہے۔ ماہنامہ ''فقہ اسلامی'' کراچی کے مدیر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز نے اپنے اس فقہی مجلّے کا اشاریہ شائع کیا ہے۔ ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کا بھی ایک ضخیم اشاریہ شائع ہو چکا ہے۔ بصیر پور اوکاڑہ سے شائع ہونے والا ایک وقیع مجلہ ''نور الحبیب'' بھی ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ سال کے آخری مجلّے میں شائع کیا جاتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ نے اپنے ہاں ۱۹۵۲ء سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست کتابی شکل میں شائع کی ہے جس میں مسلسل اِضافہ کیا جاتا ہے۔ شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے بھی وہاں لکھے گئے مقالات کی فہرست ایک کتابچے کی صورت میں شائع کی ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں لکھے گئے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست اِس یونیورسٹی کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تعلیمی ادارے اور مجلّات ایسے ہیں جن کے اشاریے شائع ہوئے ہیں۔ اُن کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس تحقیقی موضوعات اور محققین کے رجحانات سے واقف ہو کر اپنے لیے ایک مناسب موضوع منتخب کر سکتا ہے۔

اس سارے عمل اور سرگرمیوں کے دوران یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں کا سید و سردار بنانے کے باوجود بھی آپ کو حکم دیا کہ ''رب زدنی علما'' کی دعا کیا کریں۔ اگر تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم رکھنے والے ہمارے آقا ﷺ کو رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو ان کے وارث علماء کو حصول علم اور زیادتی معلومات اور تحقیق کے بعد معاشرے میں مطلوب کردار ادا کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری پہچاننی چاہیے۔

آج کل ہمارے دینی مدارس میں تخصص فی الفقہ کے کورس بھی کروائے جا رہے ہیں۔ یہ بہت اچھی کاوش ہے لیکن بہتر ہو گا کہ ان تعلیمی و تربیتی اداروں میں ادیانِ عالم میں تخصص، علوم القرآن اور تفسیر میں تخصص، حدیث اور علوم الحدیث میں تخصص، سیرت اور فقہ السیر ۃ میں تخصص بھی کروایا جائے۔ درپیش معاصر عالمی صورتحال ان علوم میں تخصصات کا شدید تقاضا کر رہی ہے۔ عالمی سطح کے مشکل حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے اردو زبان کے ساتھ عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی کورس ہونے چاہیں تاکہ معاصر دنیا کی بھاری اکثریت جو اِن زبانوں کا استعمال کرتی ہے

وہاں تک حضور اکرم ﷺ کے دین اسلام کا نہ صرف ابدی پیغام پہنچایا جا سکے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: ''أرسلتُ اِلی الخَلقِ کَافّةً'' ۔اِس سے کئی معاشروں اور قوموں کے درمیان انتشار اور غلط فہمیاں پھیلانے والی باطل قوتوں کا سد باب کیا جا سکتا ہے۔

موضوع کا خاکہ اور اس کی اہمیت:

ایک محقق کسی نہ کسی طریقے سے جب قابلِ تحقیق موضوع منتخب کر لیتا ہے تو اس کا اگلا قدم اس موضوع کا ایک علمی خاکہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ قابل قدر مقالہ مقررہ مدت کے اندر مکمل کرنا ایک محقق کی منزل ہے تو اس موضوع کا خاکہ جسے عربی میں خطۃ البحث اور انگریزی میں Synopsis یا Research Proposal کہتے ہیں اس منزل تک کامیابی سے پہنچنے کا راستہ ہے۔ جس مسافر کو اپنی منزل کے راستے کا علم نہ ہو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو مسافر اپنی منزل کے راستے کو اچھی طرح نہ جانتا ہو وہ دورانِ سفر کبھی بھولتا ہے، کبھی بھٹکتا ہے، مناسب سواری کی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے وہ کبھی آگے کی بجائے پیچھے بھی چلا جاتا ہے اور اس طرح کئی قسم کی پریشانیوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ یہی حال اس مقالہ نویس کا ہوتا ہے جس کے تحقیقی مقالے کا خاکہ اچھی طرح واضح نہ ہو۔

کسی موضوع پر ایک مناسب خاکہ کے بغیر کام شروع کر دینا ایسا ہے جیسے کسی سوچے سمجھے اور مناسب و معقول نقشے کے بغیر مکان کی تعمیر شروع کر دینا۔ اچھی طرح غور و خوص کیے بغیر ایک معمار سکول کی بجائے جیل کی عمارت بنا سکتا ہے۔ ہسپتال کی عمارت کی بجائے ایک رہائشی کوٹھی بنا سکتا ہے۔ مسجد و مدرسہ کی بجائے ریلوے اسٹیشن کی عمارت بنا سکتا ہے۔ اگر کوئی معمار اصل لمبائی، چوڑائی، موٹائی، اونچائی اور استعمال ہونے والے مواد کی اصلیت یا پختگی جانے بغیر دریا پر پل تعمیر کرنا شروع کر دے تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ایک تحقیقی مقالہ نویس کا ہو سکتا ہے جو ایک واضح خاکہ کے بغیر کام شروع کر دیتا ہے۔ دراصل مقالات کی جانچ پرکھ کے دوران ایسی ہی مثالیں سامنے آئی ہیں۔

علوم اسلامیہ و عربیہ میں سنجیدہ تحقیق جہاد بالقلم کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ایک مجاہد اپنے جہاد کی اہمیت، اسباب، حدود، اپنی صلاحیت و رسائی، طریقۂ جہاد کو اچھی طرح جانے پہچانے بغیر

جہاد شروع نہیں کرسکتا۔ ایک تحقیقی مقالہ نویس کا کام کافی حد تک مجاہد فی سبیل اللہ سے مماثل ہے۔ لہٰذا خوش کن نتائج اور مطلوبہ جہات میں مثبت ترقی و تبدیلی کا کام ایک اچھی منصوبہ بندی ہی سے شروع کرنا چاہیے۔

میرے پاس مدارس کے طلباء کے علاوہ مختلف جامعات کے ایم فل اور پی ایچ ڈی اِسکالرز مشورے کے لیے اکثر آتے رہتے ہیں۔ میں جب ان کا خاکہ دیکھتا ہوں اور ان سے چند ایک متعلقہ سوالات پوچھتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنے کام کو پہچانا ہی نہیں۔ انہیں یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ انہیں کرنا کیا ہے؟ کتنا کرنا ہے؟ کہاں کرنا ہے؟ کیوں کرنا ہے؟ کب کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے؟ یہ حالت اکثر ایسے مقالہ نگاروں کی ہوتی ہے جو اپنا موضوع خود منتخب کرنے کی بجائے کسی اور سے بنا بنایا موضوع لے لیتے ہیں۔ ایسے تجربات کی بنا پر درج ذیل میں قابل تحقیق موضوع کے علمی خاکہ کی تیاری، اس کے عناصر اور ان کی وضاحت پیش کی جاتی ہے تاکہ بحث و تحقیق کے دوران کوئی بڑی الجھن پیش نہ آئے۔

خاکہ کے عناصر عشرہ:

منتخب موضوع پر علمی انداز میں اور بغیر کسی فکری یا ذہنی انتشار کے تحقیقی کام کرنے کے لیے موضوع کا خاکہ درج ذیل دس عناصر میں تیار کرنا چاہیے۔ اس سے ایک طرف خود محقق پر اس کا کام بالکل واضح ہوتا ہے تو دوسری طرف اس موضوع پر مناسب مشورہ دینے والے اُستاد کے لیے بھی بڑی آسانی ہوتی ہے کہ وہ محقق کو کیا بتائے اور کیا نہ بتائے۔ اس طرح دونوں کا وقت بچتا ہے، ملاقات بامعنی ہوجاتی ہے اور مقالہ پر کام لازماً آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے درج ذیل میں بیان کیے گئے ہر عنصر کو اچھی طرح سمجھنا اور انہیں علمی انداز میں پیش کرنے کی مشق کرنی چاہیے۔

1. موضوع کا تعارف:

دُنیا میں کوئی بھی محقق علوم وعربیہ کے سارے شعبوں اور تحقیق کے تمام جدید رُجحانات پر یکساں مہارت نہیں رکھتا۔ اِس لئے خاکہ کا سب سے پہلا عنصر موضوع کا معقول تعارف ہے۔ مقالہ نویس اپنے منتخب موضوع پر کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ اس کے کس پہلو کو زیر تحقیق لانا چاہتا ہے؟

موضوع کا کونسا مسئلہ تحقیق طلب ہے؟ وغیرہ۔ اس قسم کے سوالات کا جواب جب تک محقق صفحۂ قرطاس پر نہ لائے نہ تو خود اس پر کام کی جہت، وُسعت اور گہرائی واضح ہوتی ہے اور نہ موضوع منظور کرنے والے بورڈ پر اور نہ ہی کسی مشورہ دینے والے پر۔ اس لیے مقالہ نویس کو اپنے موضوع کو متعارف کروانے کے لیے کم از کم دو مناسب پیراگرافوں میں موضوع کا عمومی اور خصوصی تعارف کروانا چاہیے۔ عمومی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ موضوع علوم وفنون کے وسیع تناظر میں کیا معنی و مفہوم رکھتا ہے اور خصوصی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ محقق یا مقالہ نویس موضوع کے کس پہلو میں کیا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقالہ میں وسیع وعریض موضوع کے کس مسئلے کو زیر بحث لایا جائے گا۔

مثلاً اگر ہمارے سامنے ایک موضوع: ''نصاریٰ کے بارے میں قرآن مجید کا موقف: تفسیر تبیان القرآن کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ'' ہو تو اس کے تعارف میں کیا لکھیں گے؟ مختصر عبارت میں یہ کچھ یوں ہو سکتا ہے کہ نصاریٰ ایک ایسی مذہبی قوم ہے جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیروکار کہلاتی ہے۔ انہیں عیسائی اور مسیحی بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے نصاریٰ کے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ جن سے مسلمانوں کو ان کے ساتھ روابط رکھنے کے اُصولوں کا علم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ماضی کے مسلمانوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور اب بھی موقع ومحل کی مناسبت سے لکھتے رہتے ہیں۔ ان لکھنے والوں میں مسلمان علمائے ادیان بھی ہیں اور مفسرین قرآن بھی۔

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب پاکستان کے ایک معاصر ومعروف مفسر قرآن ہیں۔ انہوں نے بارہ ضخیم جلدوں میں تفسیر تبیان القرآن لکھی ہے۔ اس تفسیر میں مفسر علاّم نے بہت سے قدیم وجدید موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے جن سے انہوں نے سوچ وفکر کے نئے نئے گوشے کھولے ہیں۔ قرآن میں مذکور متعدد ادیان عالم کے بارے میں بھی انہوں نے اچھوتے انداز میں مختلف موضوعات کو پیش کیا ہے۔ یہ موضوع اس تفسیر میں نصاریٰ کے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے بارے میں زیر بحث لائے گئے افکار وآراء کا جائزہ لیتا ہے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی سطور موضوع کا عمومی تعارف کرواتی ہیں اور

آخری چند سطریں موضوع کا خصوصی تعارف پیش کرتی ہیں۔اصل خاکہ میں اس طرح کی باتوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا تاکہ موضوع منظور کرنے والی کمیٹی یا بورڈ اچھی طرح جان لے کہ مقالہ نگار کیا کرنا چاہتا ہے۔

2. موضوع کی اہمیت:

مقالہ نویس نے اپنے منتخب موضوع پر کام کے دوران اپنا قیمتی وقت صرف کرنا ہوتا ہے۔اس پر اس نے اپنا روپیہ پیسہ خرچ کرنا ہوتا ہے۔اس سلسلے میں اسے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ہوتی ہیں۔مشوروں کے دوران دوسرے کئی اہم لوگوں کا وقت بھی لینا ہوتا ہے۔اس لیے موضوع ایسا ہو جو بہت اہم ہو۔موضوع ایسا ہو جس سے کسی ادارے، تنظیم، معاشرے،قوم یا ملک کا کوئی نہ کوئی مسئلہ حل ہو۔یعنی وہ موضوع اہم شمار کیا جاتا ہے جس پر تحقیق سے کسی فرد، ادارے، معاشرے،قوم اور ملک کی کوئی نہ کوئی ترقی متوقع ہو۔

جس طرح موضوع کے تعارف میں اس کے عمومی اور خصوصی دو پہلوؤں کا تعارف کروایا جاتا ہے اسی طرح اس کی اہمیت کے بھی کم از کم دو پہلو ہیں۔لہٰذا مقالہ نویس کو اپنے موضوع کے عمومی تناظر میں اہمیت واضح کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرنا چاہیے کہ موضوع کے جس پہلو یا مسئلے کو وہ مخاطب کر رہا ہے وہ کتنا اہم ہے؟ اس کے لیے دو الگ الگ پیراگرافوں میں چار پانچ نکات لکھنے چاہئیں جن سے موضوع کی اہمیت واضح ہو جائے۔

مثلاً مذکورہ موضوع کی اہمیت لکھنی ہو تو اس میں کیا لکھیں گے؟ یہ مختصر عبارت میں کچھ اس طرح ہو سکتی ہے۔اسلام کے ابتدائی ادوار ہی سے مسلمانوں کے عیسائیوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں۔تاریخ میں یہ تعلقات کبھی دوستانہ رہے ہیں،تو کبھی مخاصمانہ اور مخالفانہ بھی اور ان کے درمیان صلیبی جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ دور حاضر میں ان دونوں قوموں کے درمیان مکالمہ بین المذاہب ہو رہا ہے۔ حالت امن ہو یا جنگ قرآن مجید نے مسلمانوں کو نصاریٰ کے ساتھ معاملات استوار کرنے کے خاص اصول بتائے ہیں۔اگر مسلمان اللہ کی سچی اطاعت وفرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ان اصولوں کو جاننا اور ان پر عمل کرنا بہت اہم ہے۔

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب ایک معاصر عالم دین ہیں۔

ان کا مطالعہ بہت وسیع اور دینی اداروں میں تدریسی تجربہ کئی عشروں کو محیط ہے۔تصنیف و تالیف کے حوالے سے دیکھا جائے تو انہوں نے قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر لکھی ہے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرح بھی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔ان کے علاوہ ان کی کئی اور بھی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔نصاریٰ کے بارے میں ان کی تفسیر میں جو نظریات، افکار اور آراء پائے جاتے ہیں ان میں قدیم اور جدید فلر کو جمع کر دیا گیا ہے۔ان کا مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا بہت اہم ہے۔یہ تحقیقی موضوع اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کی مدد سے معاصر مسلم مسیحی تعلقات و روابط میں بہتر کردار کرنے کے لیے جدید رجحانات کی نشاندہی کی گئی ہے۔مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر بحیثیت مسلمان ایک بہتر کردار ادا کرنے کے لیے اس موضوع پر تحقیق کرنا بہت ضروری ہے۔

اس سے ملتے جلتے انداز میں موضوع کی اہمیت مزید بھی واضح کی جا سکتی ہے۔

(جاری ہے)

جدید اسلامی اسکولوں میں بھی

ہم بچوں کو کیا پڑھا رہے ہیں؟

ہر کتاب کو اسی زاویے سے دیکھئے

سیّد خالد جامعی
شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی

ہمارے ملک میں فکری انتشار کا سبب وہ نصابِ تعلیم ہے جو سرکاری اور نجی انگریزی میڈیم سکولوں اور کالجوں میں پڑھایا جا رہا ہے، مزید برآں بھاری فیسوں کے عوض ان سکولوں میں ایک ایسی نسل تیار کی جا رہی ہے جو مغربی استعماری ذہن کے نمائندے لارڈ میکالے کے مطابق رنگ ونسل میں تو مقامی ہو مگر ذہن اور فکر ونگاہ میں مغرب کی ELITE CLASS کی طرح ہو۔ اسی وجہ سے 1947ء کی آزادی کے بعد تین نسلوں میں اسلامی اقدار کا گراف نیچے آیا ہے اس کو اگلی دو تین نسلوں میں ZERO تک پہنچایا جانا مقصود ہے مغرب نے خود بھی اپنے ہاں گذشتہ صدی میں ساٹھ کی دہائی سے ایک MORALLESS اور VALUELESS نصابِ تعلیم ترتیب دیا تھا اور وہاں اب یہ نسل حکمران ہے اور اخلاق و مذہب سے عاری حیوانیت کی علمبردار ہے اور ہمارے ہاں بھی ان مہنگے تعلیمی اداروں کے OXFORD اور کیمبرج کے نصاب کے زیر اثر ایسی ہی نسلیں تیار ہو رہی ہیں۔ ذیل میں جناب خالد جامعی صاحب شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی کی ایک تحریر بالاقساط شائع کی جا رہی ہے جو مغربی اداروں کے نصاب کی خرابیوں کی نشان دہی کرتی ہے تاکہ اس کا سدّ باب کیا جا سکے بات وہی ہے کہ یہ ہماری نئے نسل کا قتل عام ہے جو حضرت اکبر آلہ آبادی کے بقول

یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

آج مغرب ہمارا دوست مہربان، سرپرست، بوقت ضرورت امداد اور قرض دینے والا بھی ہے سیلاب اور قدرتی آفات میں اپنی تجوریوں کے منہ بھی کھول دیتا ہے مگر ساتھ ہی ہماری اقدار مذہب، ملت، عقائد اور رسول ﷺ کا دشمن بھی ہے۔ شرط ہے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی۔ (ادارہ)

یہ 2011ء کی بات ہے ہمارے عزیز دوست عمیر ثانی ایک بین الاقوامی ادارے Trade Key کے شعبہ کمپیوٹر میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور جدید دنیا سے بخوبی واقف۔ ایک دن انہوں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت سے متعلق بعض استفسارات کیے اور بچے کے بدلتے ہوئے رجحانات، نت نئے میلانات کے بارے میں سوالات اٹھائے جو پری نرسری میں پڑھ رہا تھا تو راقم نے عرض کیا آپ کا بچہ کہاں پڑھتا ہے؟ معلوم ہوا کراچی کے سب سے بہترین اور مہنگے ترین اسلامی اسکول Generation میں پڑھتا ہے واضح رہے کہ یہ اسکول چند مہینوں بعد یونیورسٹی میں تبدیل ہونے والا ہے عملے کا تقرر ہو چکا ہے۔

جنریشن اسکول کی نگراں ڈاکٹر غزالہ صدیقی صاحبہ نہایت نیک سیرت، متحرک، مؤثر، مخلص اور راسخ العقیدہ مسلمان خاتون ہیں ان کے شوہر عرفان صدیقی میزان بینک کے چیف ایگزیکٹیو ہیں جنریشن اسکول میں اسلامی اقدار، روایات، حجاب، حیاء کا خاص خیال بھی رکھا جاتا ہے لہٰذا ہم نے عمیر ثانی صاحب سے کہا کہ آپ کا بچہ جو انگریزی کتابیں پڑھتا ہے وہ لے آیئے۔ عمیر صاحب دوسرے دن کتابیں لے آئے آکسفرڈ کی شائع کردہ ان کتابوں کا راقم نے ناقدانہ جائزہ لیا اور یہ جائزہ عمیر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا عمیر صاحب نے اگلے ہفتے اپنے بچے کا داخلہ منسوخ کرا دیا، یہ جائزہ جنریشن اسکول کے اساتذہ کی خدمت میں بھی تفکر، تدبر اور تنقید کے لیے پیش کیا گیا جن کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم نے تو ان کتابوں کا کبھی اس طرح جائزہ نہیں لیا نہ ان کتابوں کو اس قدر گہرائی سے دیکھا ہے۔ اساتذہ خود حیرت، تعجب میں مبتلا تھے۔ 2014ء میں ہمارے ایک دوست جو ملٹی نیشنل کمپنی میں ڈائریکٹر فنانس کے عہدے پر فائز ہیں اور ان کا بچہ بھی جنریشن اسکول میں پڑھتا ہے ہمیں بتایا کہ ان کا بچہ بہت اداس اور افسردہ ہے وہ پوچھتا ہے کہ ابو ہمارے گھر میں سب کچھ ہے مگر سوئمنگ پول (تیراکی کا حوض) کیوں نہیں ہے بچے کے گھر میں دنیا کی ہر نعمت ہے صرف پانی کا حوض نہیں ہے تو اسے اپنا گھر حقیر نظر آتا ہے ھَلْ مِن مَّزِیْد کا یہ طرزِ فکر، یہ احساس محرومی، بے بسی و بے کسی کا یہ اسلوب کس نے پیدا کیا؟

جدیدیت [Modrenism] کے پیدا کردہ معیارِ زندگی اور اس معیار میں مسلسل و مستقل اضافہ کا اصول ایک معصوم بچے کو بھی نفس مطمئنہ سے محروم کر دیتا ہے اس مسئلے کی بنیاد

تلاش کرنے کے لیے ہم نے اپنے دوست کی خدمت میں تین سالہ پرانا تجزیہ پیش کیا یہ تجزیہ ایک آئینہ ہے جس میں بہت سے مخلص، راسخ العقیدہ، متقی، پرہیز گار، لوگوں کے قائم کردہ اسلامی اسکولوں کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے تصویر جیسی بھی ہو اسے غور سے دیکھیے آئینے کو توڑنے کی کوشش نہ کیجیے صرف اس تصویر کو بدلنے کی کوشش کیجیے جو ہماری خواہش، آرزو، جستجو کے بغیر نادانستہ طور پر ہمارے آئینے نے تخلیق کردی ہے صرف ایک سوال پر مسلسل غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا اس تصویر کو بدلا جاسکتا ہے؟

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ جدید تعلیمی ادارے ہماری تاریخ نے تخلیق نہیں کیے یہ ہم پر مسلط کیے گئے ہیں اس نظام کو فی الحال بدلنا ممکن نہیں ہے اور ریاستی قوت کے بغیر اس کا فوری متبادل پیش کرنا بھی اس وقت ممکن نہیں لہٰذا ہم حالت اضطرار میں ہیں۔ لیکن لمحۂ موجود میں امریکہ کنیڈا میں جدید اسکولوں کا متبادل گھر اسکول، امی اسکول اور ابو اسکول [Home School/ Mom School/ Dad School] وجود میں آچکے ہیں دنیا کی تیئس تہذیبوں کی طرح گھروں، بستیوں، محلّوں میں قائم یہ غیر تجارتی [Non Commercial] مکتب جو ہمارے شاندار ماضی کی یادگار ہیں مغرب کے موجودہ نظام تعلیم کے لیے موجودہ سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں سے بہت اچھے، سستے اور بہت بہتر طلباء تیار کر رہے ہیں جو اخلاقی طور پر اور صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت برتر ہیں یہ اسکول ماں باپ نے خود اپنی مدد آپ کے تحت قائم کیے ہیں کیونکہ صرف مادی کامیابی کے لیے تخلیق کیے گئے جدید اسکول مغرب کے بچوں کی مادی ضروریات بھی پوری کرنے سے قاصر ہیں اور بے شمار سنگین مسائل پیدا کردیتے ہیں یہ مکتب قائم کرنے والے بہت مذہبی لوگ بھی نہیں ہیں ان کا مقصد بچوں کی اخلاقی، روحانی، ایمانی، نورانی تربیت بھی نہیں ہے محض مادی احساس زیاں یعنی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کی خواہش آرزو اور جستجو نے ان کو ایک نئے تجربے اور متبادل نظام پر آمادہ کیا اور وہ صرف مادی طور پر کامیاب ہوگئے اس خالص مادی ترقیاتی تجربے کو ہم ایک لمحے کے لیے نظر انداز کرکے ایک سوال اٹھاتے ہیں۔ کیا جدید سیکولر تعلیمی اداروں میں اصلاحی، دفاعی اور انقلابی تبدیلیوں کے ذریعے ان اداروں کی بنیادوں اور مرتبہ نصاب میں موجود زہر کا علاج ممکن ہے یا نہیں؟ ان میں اصلاح کا کتنا امکان ہے؟ یہ ہمارے سوچنے کا اصل میدان ہے۔

مغرب کے تمام ممالک جو سرمایہ دارانہ نظام کے نظریات لبرل ازم، سوشلزم اور سوشل ویلفیئر ازم پر یقین رکھتے ہیں ان کا اجماع اصولاً آزادی مساوات ترقی کے عقائد پر ہے یہ خدا، نبی، آخرت وغیرہ کے قائل نہیں ان کا نظام تعلیم بھی انہی عقائد کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے رہا ہے تعلیم کا مقصد محض ترقی، لذتوں کا حصول آزادی اور معیار زندگی میں مسلسل و مستقل اضافہ ہے۔ اس کے باوجود ایک مغربی سوشلسٹ ملک نے اسی مفاد پرست حاسد، حریص تعلیمی نظام میں چند بنیادی اصلاحات چند ترمیمات اور اضافوں کے ذریعے ڈاکٹر بننے والوں میں حرص وحسد وہوس کے جذبات پیدا کرنے کے بجائے قوم پرستی اور انسان پرستی کے ذریعے خدمت خلق کا ایسا جذبہ پیدا کیا ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑے طبی مشن اس ملک کے ڈاکٹروں اور طبی عملے پر مشتمل ہیں جو مختلف غریب کمزور ممالک میں بلا معاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں بیک وقت چھپن ہزار لوگ اس عمل میں شریک ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی کسی دوسرے ملک کی شہریت قبول نہیں کرتا جبکہ اس ملک میں ڈاکٹروں کی تنخواہیں بہت کم بلکہ دنیا میں سب سے کم ہیں تفصیلات کے لیے نوم چومسکی کی کتاب Profit over people کا مطالعہ کیجیے۔ بڑے بڑے عالمی ادارے، UNO، UNICEF، WHO، UNO، OXfam، ریڈ کراس بھی اربوں کھربوں روپے کے فنڈ وصول کرنے کے باوجود اتنے بڑے پیمانے پر مفت طبی امداد فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

کفار اگر کفر کے نظام تعلیم میں تجربات کے ذریعے کچھ اصلاحات کر سکتے ہیں تو امت مسلمہ جو پندرہ سو سال کی تاریخ رکھتی ہے وہ اس نظام تعلیم میں جزوی اصلاحات کے لیے بھی کیوں آمادہ نہیں ہے؟ اور کیا وجہ ہے عالم اسلام ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے؟ اس مثال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذکورہ ملک کا تجربہ عالم اسلام کے لیے کوئی عالی معیاری اور مثالی نمونہ ہے بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تبدیلی کی خواہش ارادہ اور عزم ہو تو ہر طرح کے مشکل حالات اور سخت سے سخت نظام میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے عالم اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جدیدیت کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس سے مغلوب مسحور اور مرعوب ہو گیا ہے بلکہ وہ جدیدیت کے تمام مظاہر و آثار اسلامی تاریخ میں تلاش کر رہا ہے جزئیات کی بنیاد پر کلیات اخذ

کر کے مغربیت جدیدیت اور لادینیت کی اسلامی تعبیریں پیش کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ لہٰذا عقل صرف ان امور میں استعمال کی جا رہی ہے جہاں اس کے استعمال کی ضرورت نہیں اور جہاں عقل کی ضرورت ہے وہاں مغرب کی کامل تقلید اختیار کر لی گئی ہے مغرب کے فلسفے اس کے علوم اور اس کے اداروں کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بجائے ہم اسلامی علمیت، اس کے مکاتب فکر، ان کے اختلاف، اسلام کے اداروں اس کی تاریخ کا ناقدانہ جائزہ لینے میں مصروف ہیں لہٰذا مغرب محفوظ ہے اور اسلام مضروب مجروح اور محبوس ہے۔

سرسیّد احمد خان عالم اسلام میں جدید تعلیم کے بانی ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں سرسیّد نے دوسو سال پہلے جدید سیکولر تعلیم کا آغاز کیا مگر اس وقت بھی انھیں یقین تھا کہ ''جدید تعلیم کے نتیجے میں ہندو مسلمان عیسائی کے دل میں بھی مذہب کی وقعت باقی نہیں رہتی ان کے عقیدے نبوت اور معاد بلکہ الوہیت کی طرف سے بھی متزلزل ہو جاتے ہیں ان کو معلوم تھا کہ مغربی علوم اور مغربی لٹریچر کی بدولت اکثر ممالک یوروپ میں روز بروز دہریت اور الحاد پھیلتا جا رہا ہے [حالی، حیات جاوید، ہجرہ انٹرنیشنل پبلشر لاہور 1984ء طبع اول، ص 224، 233، باب پنجم]۔ تیسرا خطرہ خاص کر مذہب اسلام کو انگریزی تعلیم کی طرف سے تھا جو روز بروز ہندوستان میں پھیلتی جاتی تھی جس سے مفر نہ تھا یہاں تک کہ سرسید کو خود ان میں یہ تعلیم پھیلانی پڑی حالانکہ انگریزی تعلیم کے نتائج اسلام کے حق میں مشنریوں کی پریچنگ سے بہت زیادہ اندیشہ ناک تھے [حیات جاوید دوسرا حصہ ص 134، محولہ بالا] لیکن سرسید کی رائے تھی کہ اس تعلیم کے بغیر ترقی ناممکن ہے لہٰذا یہ ناگزیر برائی ہے لہٰذا اس کی خرابیوں کا ازالہ ہونا چاہیے مگر عالم اسلام کے ماہرین تعلیم اور اسکولوں کے منتظمین میں عموماً اس بات کا احساس نہیں ہے کہ جدید تعلیم کس طرح فکری ارتداد پیدا کرتی ہے اور اس کا امالہ کیسے ہونا چاہیے۔

سرسیّد احمد خان نے جدید سیکولر مغربی تعلیم کے مذہب دشمن اثرات سے بچانے کے لیے قرآن کی جدید تفسیر لکھی جس کے نتیجے میں جدید نسل کی اصلاح تو کیا ہوتی البتہ اسلامی علمیت کی بنیادیں منہدم ہو گئیں لیکن سرسید کی فکرمندی ہمارے لیے قابل غور ہے حالی لکھتے ہیں الغرض ان کو مدت سے یہ خیال تھا کہ انگریزی تعلیم سے اسلام کے حق میں جن مضر نتائج کے ہونے کا

اندیشہ ہے ان کا انسداد کیا جائے اس مقصد کے لیے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی جائے [حیات جاوید، ص 226] اسلامی تاریخ میں علم کلام دین پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرتا اور عقائد دینی کو مستحکم طور پر ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے اور اعتراضات وشبہات کا ازالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے سرسید چراغ علی اور شبلی نے جو علم کلام ایجاد کیا اس نے اسلامی علمیت پر ہونے والے تمام اعتراضات کو ہی قبول کر لیا لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک نئے علم کلام کے لیے بھی کوئی محنت نہیں کی بلکہ اس سیکولر نظام تعلیم کو ہم اپنا سمجھ کر قبول کر چکے ہیں اس تقلید کے باعث ہم آج تک اس نظام کی تنقید —— تخلیق نہیں کر سکے۔

عجیب حکایت ہے کہ ایک انسان ایک شیر کے ساتھ کسی شہر کی سیر کر رہا تھا سیر کرتے کرتے وہ ایک نمائش گاہ میں داخل ہوئے جہاں مصوری کے شاہکار رکھے ہوئے تھے ایک شاہکار میں ایک شیر کو دکھایا گیا تھا جو زمین پر بے سدھ، بے یار و مددگار حیران و پریشان، ہکا بکا، نیم جاں پڑا ہوا تھا شیر کی گردن پر ایک قوی ہیکل شکاری نہایت شان بلکہ تکبر کے ساتھ پیر رکھ کر مسکرا رہا تھا اس کی کمر میں ایک بندوق بھی جھول رہی تھی انسان نے شیر سے پوچھا یہ تصویر کیسی ہے شیر نے کمال بے نیازی سے تصویر کو دیکھا اور جواب دیا ''یہ تصویر انسان نے بنائی ہے'' دوسرے معنوں میں یہ تصویر شیر نے نہیں بنائی ورنہ صورت حال مختلف ہوتی ۔سوچنے کا یہ زاویہ زندگی، حرکت، حرارت اور تازگی کی علامت ہے یہ زاویہ نظر کسی لمحے بھی انقلاب پیدا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا بدترین عذاب کسی قوم پر یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم فکر صحیح سے محروم ہو جائے۔ فکر صحیح ہو تو راکھ سے بھی نشیمن تعمیر کیا جا سکتا ہے ذرہ صحراء، پتی گل۔ گُل گلزار۔ دریچہ۔ دروازہ اور دیوار بن سکتا ہے۔

(جاری ہے)

کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں (114:11)

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات پر

اہلِ علم کے تأثرات

خصوصی اشاعت: ہندو مسلم نظریاتی کشاکش......

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، پشاور

اللہ کرے کہ آپ خیر و عافیت اور بندگی کی بہترین حالت میں ہوں ''جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' کے نام سے آپ کی مرتبہ کتاب موصول ہوئی ہے چونکہ عنوان وقت کی ضرورت کے مطابق اور جاذب و دلچسپ تھا اس لئے دو ہی نشستوں میں پڑھ ڈالی۔

اس کا پہلا حصہ ہندو تاریخ سے متعلق ہے اس موضوع پر میرا مطالعہ بہت محدود ہے بچپن میں غالباً دوسری، تیسری جماعت کی نصابی کتابوں میں اس کے بارے میں کچھ پڑھا پھر تاریخ فرشتہ کے مطالعہ کا اتفاق ہوا اس کی پہلی جلد کی ابتداء میں قدیم ہندو تاریخ کا کچھ حصہ آیا جو میں نے عرصہ ہوا پڑھ لی تھی اس کے علاوہ متفرق طور پر کچھ اِدھر اُدھر سے تھوڑی معلومات حاصل ہوئی ہیں بہرحال اس موضوع پر قصداً و ارادۃً کوئی زیادہ مطالعہ نہیں کیا ہے اس لئے آپ کی کتاب کے اس حصے پر تو کوئی ناقدانہ اور مبصرانہ رائے نہیں دے سکتا ہوں باقی مکیاولی سیاست پر کاربند ہندو سے خیر کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا کیا ہو سکتا ہے پاکستان کے ساتھ مختلف مراحل پر ان کے رویّے اور طرزِ عمل کا آپ نے ذکر کیا ہے جو بالکل صحیح اور مطابق واقعہ ہے لیکن اس کے باوجود موجودہ حکومت معلوم نہیں کیوں ہندو کے لئے بہت نرم گوشہ رکھتی ہے اور ہمیشہ معذرت خواہانہ انداز سے پیش آتی ہے ہماری تمام حکومتوں کا وطیرہ اپنے دشمنوں کے بارے میں تو بہت بزدلانہ اور

اپنوں کے لئے بہت ظالمانہ رہا ہے آج کل جو کچھ ملک میں ہو رہا ہے کسی سے مخفی نہیں امریکہ کو خوش کرنے کے لئے اہل وطن پر جو ظلم وستم روا رکھا جا رہا ہے اہل ایمان کے دل اس سے زخمی زخمی ہیں اللہ تعالیٰ چارہ گری کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔

کتاب کی تیاری میں آپ کی نظری اور عملی کاوشوں کے بقدر اس کی قدر دانی کی توقع کم ہے لیکن صفائے نیت اور اخلاص کی بدولت عند اللہ اس کا پایہ بہت بلند کیا جا سکتا ہے خدا کرے للّٰہی جذبہ کے سوا آپ کی تحریروں اور تقریروں کا اور کوئی محرک نہ ہو۔ آمین

ڈاکٹر طالب حسین سیال، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

قرآن اکیڈمی جھنگ کا ماہنامہ حکمت بالغہ ہر ماہ روحانی سیرابی کا سامان مہیا کرتا ہے میں اکثر سوچتا ہوں کہ مدیر محترم بلاشبہ اپنی محنت و ریاضت اور عطیہ خداوندی کے باعث اپنی فصیح اور سلیس اُردو میں لکھنے پر قادر ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی دعوتی سرگرمیوں اور قرآن فہمی کی محافل سجانے کے ساتھ ساتھ اتنا وقت کیسے نکالتے ہیں کہ وہ قدیم اور جدید ہر نوع کے تاریخی، عمرانیاتی، معاشرتی و معاشی اور فلسفیاتی موضوعات پر وسیع لٹریچر کا مطالعہ کر پاتے ہیں اور پھر حاصل مطالعہ کو احسن طریق سے قارئین کے لیے پیش کرتے ہیں ان کا حکمتِ بالغہ کا خصوصی نمبر بعنوان ''جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' جب میرے پاس پہنچا تو میں نے اسی وقت پڑھنا شروع کر دیا۔ میری دلچسپی بڑھتی چلی گئی اور دو نشستوں میں پورے 166 صفحات کا مطالعہ مکمل کر لیا۔ میں تاریخ و سیاسیات کا طالب علم ہونے کی وجہ سے ایسے موضوعات سے زیادہ شغف رکھتا ہوں جن پر اِس خصوصی اشاعت میں بحث کی گئی ہے۔ جناب مختار فاروقی صاحب نے اہل علم پر یہ احسان عظیم کیا ہے کہ مندرجہ ذیل چھ کتابوں کا خلاصہ اُن کی نظر کیا ہے۔

I۔ ہندی اور ہندوستان۔۔۔ایک تہذیبی اور لسانیاتی جائزہ، مصنف شفق ہاشمی

II۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو۔۔۔نتیجہ فکر مولانا شمس نوید عثمانی تحریر: ایس عبداللہ طارق

III۔ تاریخ کا مطالعہ۔۔۔تصنیف غلام باری

IV۔ تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی۔۔۔نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

V۔ وفا کا کعبہ۔۔۔حسن محمود

VI۔ دیوار برہمن ۔۔۔ پروفیسر محمد منور

اس خلاصہ کے علاوہ اُنہوں نے قوموں کے عروج وزوال اور بالخصوص خطہ پاک وہند کے حالات کا احسن طریقہ سے احاطہ کیا ہے۔قرآن حکیم، علامہ اقبال اور پاکستان اُن کی محبت کے محور ہیں۔ اُن کا دعوتی انداز مؤثر اور ولولہ خیز ہے اُن کے افکار اور تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ رجائیت پسند ہیں۔قاری کو مایوس اور افسردہ نہیں کرتے بلکہ ان کو جدوجہد، سعی وعمل کا اُمید افزا پیغام دیتے ہیں۔پچھلے دوتین سالوں میں انہوں نے وقیع مطبوعات پیش کی ہیں جن میں امید افزا اور نتیجہ خیز تحریک کا پیغام ہے اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا کرے۔

تعمیر سیرت وکردار

پروفیسر عون محمد سعیدی مصطفوی، بانی تحریک نظامِ مصطفیٰ (اہل سنت) پاکستان، بہاولپور

ظاہری و باطنی حسن سے مرصع کتاب ''تعمیر سیرت وکردار'' موصول ہوئی، جس کا ہر ہر مضمون ایک معتبر حیثیت رکھتا ہے۔کتاب بے شمار خوبیوں کی جامع اور قابل مطالعہ ہے۔خاص طور پر جہاں جہاں آپ نے زندگی گزارنے کے حوالہ سے ہدایات پیش کی ہیں مثلاً حدود اللہ کی حفاظت، مجاہدانہ لائف سٹائل اور خواتین کا جہاد، یہ انتہائی حد تک قابل تحسین ہیں۔حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے ان محبت بھرے جذبات پر مبارکباد قبول فرمائیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

''ہمارے اندر جیسے قرآن حکیم پڑھنے کا جذبہ ہونا چاہیے اسی طریقے پر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطالعے کا بھی شوق ہونا چاہیے۔ہمارے دل میں جو فیورٹ (Favourite) شخصیات ہیں ان میں ٹاپ پر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا نام درج کر لینا چاہیے۔ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ ہم کو وہ سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ہم سب سے زیادہ ان کو چاہیں''۔(ص ۱۸)

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ان قیمتی مضامین سے ماہنامہ متاعِ کارواں کے قارئین کو بھی گاہے گاہے مستفید ہونے کا موقع دیتے رہیں گے۔

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انجینئر مختار فاروقی، صاحبِ علم وعمل شخصیت ہیں۔ وہ اچھے ادیب اور خطیب ہیں۔ ایک مؤقر ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' کے مدیر ہیں، جس میں اعلیٰ علمی سطح کے فکر انگیز مضامین شائع ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف ہیں۔

زیرتبصرہ کتاب سیرت وکردار کی اہمیت پر مبنی ہے۔ یہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے، یعنی شعبۂ زندگی کے متعلق جامع معلومات فراہم کرتا ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ مختلف عنوانات کے تحت مضامین کو یکجا کر دیا جائے تا کہ زندگی کے کئی اہم گوشوں کی اہمیت واضح ہو جائے۔اس کتاب کے مضامین میں کچھ وہ تحریریں ہیں جو مصنف نے ''حکمت بالغہ میں شائع کیں اور کچھ ان کے خطابات ہیں جو مختلف مواقع پر کیے گئے۔ سیرت وکردار کی تعمیر کے لیے وہ حواسِ خمسہ کی بیداری اور اعضاء وجوارح کے صحیح استعمال کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ انسان حیوانی سطح پر زندگی گزارتا ہے جو ماحول پر غور وفکر نہیں کرتا بلکہ اس کی دلچسپی صرف کھانے کمانے تک محدود ہوتی ہے۔اس طرح وہ انسانیت کی عظمت سے غافل ہے۔

مسلم معاشرے میں عورتوں کے کردار کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے اور مسلمان عورت کے لیے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ عورتیں ہی ہیں جو مردوں کو سازگار ماحول مہیا کرتی ہیں اور وہ کردار کے اعلیٰ نمونے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر عورت اچھے کاموں میں مرد کا ساتھ نہ دے تو باصلاحیت ہونے کے باوجود مرد پسماندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مصنف نے اپنے مضامین میں جابجا فارسی اشعار quote کر کے بات کو واضح تر کر دیا ہے۔ مختصراً یہ کتاب اس قابل کہ اس سے وسیع پیمانے پر فائدہ اُٹھایا جائے۔اس کے مدلّل اور جامع مباحث سیرت وکردار کی تعمیر میں قاری کے ممد ومعاون ہوں گے۔

سیرت نبوی ﷺ

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ابوفیصل محمد منظور انور

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ کی بہترین تعریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے کہ (کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ) قرآن آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔امام احمد، مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور ابن جریر نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ ان کا یہ قول متعدد سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے سامنے محض قرآن مجید کی تعلیم نہیں دی بلکہ خود اس کا نمونہ مجسم بن کر دکھا دیا تھا۔جس چیز کا قرآن میں حکم دیا گیا آپ ﷺ نے خود سب سے بڑھ کر اس پر عمل کیا جس چیز سے اس میں روکا گیا آپ ﷺ نے خود سب سے زیادہ اس سے اجتناب فرمایا جن اخلاقی صفات کو اس میں فضیلت قرار دیا گیا سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی ذات ان سے متصف تھی اور جن صفات کو اس میں ناپسندیدہ ٹھہرایا گیا سب سے زیاہ آپ ﷺ ان سے پاک تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی میری کسی بات پر اُف تک نہ کی، کبھی میرے کسی کام پر یہ نہ فرمایا، کہ تو نے یہ کیوں کیا اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا (بخاری و مسلم)
(تفہیم القرآن جلد 6 سورہ القلم)

رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ واخلاق عالیہ اور خلق عظیم کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ جو

آپ ﷺ کے قریب ترین رفقا میں سے ایک تھے، آپ ﷺ کے خلق عظیم بارے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی زبان مبارک صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپ کو کچھ سروکار ہوتا لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ کرتے اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے اور لوگوں کے معاملات بارے دریافت کرتے رہتے کسی قوم و برادری کا کوئی معزز شخص ملنے آتا تو اس کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ فرماتے اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدے پر مقرر کرتے لوگوں کے بارے محتاط تبصرہ فرماتے بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں آپ ﷺ طبعاً بدکلامی، بے حیائی اور بے شرمی سے دور تھے اور تکلّفاً بھی آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوتی تھی۔ بازاروں میں آپ کبھی بھی بلند آواز نہ فرماتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی پر دست درازی نہ فرمائی سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو۔ کسی خادم یا عورت پر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ میں نے آپ ﷺ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا ہو تو آپ اس کے لیے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے۔ دو چیزیں سامنے ہوتیں تو ہمیشہ آپ ﷺ آسان چیز کا انتخاب فرماتے اپنے دولت خانے پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دیتے۔ اچھی بات کی اچھائی بیان کرتے اور اس کو قوت پہنچاتے، بری بات کی برائی کرتے اور اس کو کمزور کرتے، آپ ﷺ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا، کسی بات سے غفلت نہ فرماتے اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل ہونے لگیں اور اکتا جائیں، ہر موقع کے لئے آپ ﷺ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا، آپ کے قریب جو لوگ رہتے تھے وہ سب اچھے اور منتخب ہوتے تھے آپ کی نگاہ میں سب سے افضل وہ تھا جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو سب سے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی جو ہمدردی، غم خواری اور دوسروں کی مدد اور معاونت میں سبقت لے جانے والا ہو خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی

جگہ تشریف رکھتے اور اس کا حکم بھی فرماتے اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصہ دیتے، آپ کا شریک مجلس یہ سمجھتا تھا کہ اس سے بڑھ کر آپ کی نگاہ میں اور کوئی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص آپ کو اپنی غرض سے بٹھا لیتا یا کسی ضرورت میں آپ سے گفتگو کرتا تو آپ نہایت صبر و سکون سے اس کی بات سنتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات پوری کر کے رخصت ہوتا اگر کوئی شخص آپ سے سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کیے واپس نہ فرماتے یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے، آپ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لیے وسیع اور عام تھا تمام لوگ حق کے معاملے میں آپ کی نظر میں برابر تھے آپ کی مجلس علم و معرفت، حیا اور شرم، صبر اور امانت داری کی مجلس تھی نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھی نہ کسی کی عیوب بیان کیے جاتے تھے نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی، سب ایک دوسرے کے مساوی تھے اور صرف تقوی کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی، اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحمدلی اور شفقت کا معاملہ کرتے حاجتمند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے تھے اور اس کا خیال رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کی ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے، نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی تھے، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عمیانہ اور متبذل بات کرنے والے نہ کسی کو عیب لگانے والے نہ تنگ دل بخیل، جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور صراحتاً اس سے مایوس بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب بھی نہ دیتے، تین باتوں سے آپ نے اپنے آپ کو بالکل بچا رکھا تھا ایک جھگڑا دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام۔ لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا نہ کسی کی برائی کرتے تھے نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریاں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے رہے اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاء مجلس ادب سے اس طرح سے سر جھکا لیتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں جب آپ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے آپ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا آپ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا

وہی درجہ ہوتا جوان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا اور اسی قدردانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپ بھی ہنستے جس سے سب تعجب کرتے آپ بھی اس سے تعجب فرماتے، مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی او رہر طرح کے سوال کو صبر وتحمل کے ساتھ سنتے یہاں تک کہ آپ کے اصحاب کرامؓ ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تا کہ آپ پر کوئی بار نہ ہو۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو آپ مدح وتعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرما دیتے یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرما دیتے۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ فراغ دل کشادہ قلب راست گفتار نرم طبیعت اور معاشرت ومعاملات میں نہایت درجہ کریم تھے جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ کا فریفتہ اور دلدادہ ہوتا جاتا آپ ﷺ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپ سے قبل آپ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد۔

حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ اوصاف کریمہ اور خصائل شریفہ کا ذکر ہند بن ابی ہالہ نے (جو ام المومنین حضرت خدیجہ کے فرزند اور حضرت حسن وحسین کے ماموں ہیں) بہت جامع اور بلیغ انداز میں کیا ہے ان کے الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی سوچ میں رہتے اس کا تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے بلا ضرورت کلام نہ فرماتے گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے اور اسی طرح اختتام فرماتے آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دوٹوک ہوتا نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار آپ نرم مزاج اور نرم گفتار تھے درشت خو اور بے مروّت نہ تھے نہ کسی کی اہانت کرتے اور نہ اپنے لیے اہانت پسند کرتے تھے، نعمت کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے اور اس کی برائی نہ فرماتے کھانے پینے کی چیزوں کی برائی کرتے نہ تعریف دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی اس پر آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ

کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ لے لیتے آپ کو اپنی ذات کیلئے غصہ آتا نہ اس کے لیے انتقام لیتے جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روح انور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے اور اعراض فرما لیتے خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے آپ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا جس سے صرف آپ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک وشفاف تھے ظاہر ہوتے۔

حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہمارے سامنے جو تقریر بھی فرماتے اس میں یہ بات ضرور ارشاد فرمایا کرتے خبردار رہو جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں جو عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (ماخوذ از 'نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم' تالیف: مولانا ابوالحسن علی ندوی)

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

1 کتابی سلسلہ جہانِ نعت کراچی

بہزاد لکھنوی نعت نمبر

مدیر: محمد رمضان میمن

زیر تبصرہ جہانِ نعت کا 'عاشق رسول حضرت بہزاد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نعت نمبر' اس گرانمایہ نعت نمبروں میں مدیر محترم کی جستجو کا نقش ثانی ہے۔ حضرت بہزاد رحمۃ اللہ علیہ کی مدحت نبوی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور اور ارباب بصیرت کی آنکھوں کا نور ہے۔ ان کی نعت میں خوشنمائی ودلربائی کے ساتھ ساتھ ہم قافیہ الفاظ کے برمحل استعمال، سلاست وفصاحت جسے فن شاعری میں 'سہل ممتنع' بھی کہا جاتا ہے بدرجہ اتم موجود ہے۔ جیسا کہ وہ مدینہ کی معطر فضاؤں اور سرکارِ مدینہ کی بارگاہِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

زندگی تھی بڑے قرینے سے ہو کے کیوں آ گئے مدینے سے

حضرت بہزاد لکھنوی مرحوم کا خاندانی نام سردار احمد خان اور آفریدی قبیلہ تھا۔ جن کی روحانی تربیت خانقاہ نیاز بریلی شریف کے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں نے فرمائی۔ ان ہی کی تربیت کے زیر اثر ہی والہانہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال سے آشنا ہوئے۔ اور غزل نگاری ترک کرتے ہوئے ثنا خوانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صنف نعت نگاری کی طرف ملتفت ہوئے اور پھر چودہ سے زائد وہ منفرد نعتیہ مجموعے تخلیق فرمائے۔

اَشک ہفت آسماں مدینہ ہے یعنی رخصت نشاں مدینہ ہے
جہاں بہزؔاد غم نہیں رہتا اِک وہی آستاں مدینہ ہے

اگر چہ یہ حضرت بہزاد نعت نمبر ہے لیکن پانچ حصوں پر مشتمل یہ ایک ایسا حسین گلدستہ ہے جس کے پہلے

حصہ میں حضرت بہزادلکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا منتخب حمدیہ ونعتیہ کلام، دوسرے حصہ میں حضرت بہزادلکھنوی کی نعتیہ شاعری پر اہل قلم کی آراء، تیسرے حصہ میں شعراء کرام کا حضرت بہزاد کو منظوم خراج عقیدت، حصہ چہارم میں پہلا اور دوسرا سفرنامہ حج، مکاتیب بہزادلکھنوی اور سلطانہ مہر سے ان کی گفتگو ہے، حصہ پنجم میں حضرت مسرور کیفی نعت نمبر پر اہل علم کے تاثرات اور مختلف رسائل و جرائد میں شائع شدہ تبصرے اور موصولہ رسائل وجرائد کی فہرست دی گئی ہے۔ وارفتگان عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ نعت نمبر نادر تحفہ اور کتب خانوں کے ذخیرہ ہائے حمد ونعت میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔ زیر تبصرہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بہزادلکھنوی نعت نمبر کو حضرت مسرور کیفی نعت نمبر سے کمیت و کیفیت اور تزئین وطباعت کے اعتبار سے تفرد حاصل ہے۔ امید واثق ہے کہ آنے والا نعت نمبر مزید فنی خوبیوں سے آراستہ ہوگا۔

(قیمت: 200 روپے، صفحات: 168، مقامِ اشاعت: جہانِ نعت، شارع مسجد حدیبیہ، گلشن حدید، فیز 2، بن قاسم ضلع ملیر کراچی، 03312533426)

2 اسلامی فلاحی ریاست

محمد وقاص

زیر تبصرہ کتاب 'تحریک محنت پاکستان' کی 35 سالہ اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے وہ تحریری آثار ہیں سے پنجاب اسمبلی کے سابق رکن نے اپنے عملی تجربات ومشاہدات اور 1999ء سے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو یکجا کرتے ہوئے تین ابواب، سترہ فصول اور 223 صفحات میں اختصار و جامعیت کے ساتھ نہایت سلیقہ اور عصری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جہاں اسلامی قوتوں کے لیے ایک رہنما کتاب کے طور پر تحریر کیا ہے، وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقات اور جدت پسند افراد کو اسلام کے تصورِ ریاست کی تفہیم میں رہنمائی بھی فراہم کی ہے۔ اگرچہ یہ تصنیف مسلم معاشی مفکرین کے روشن افکار کا مجموعہ اور تسلسل ہے تاہم اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے عصر حاضر کا بہترین عملی ماڈل بھی ہے۔ یعنی اسلام سے جذباتی وابستگی کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے معروضی عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے پورے عالم میں مستقبل کے دورِ نشاط افزاء کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ تجدید واحیائے دین کی یہ مبروک کاوش آنے والے فلاحی دور کی نوید بھی ہے۔ عام قارئین اور خصوصاً سیاسیات کے طلبہ کے لیے مفید اور ہر لائبریری کی زینت بننے کے لائق ہے۔ (صفحات: 224، پتہ: مرکز تحریک محنت جی ٹی روڈ، واہ کینٹ 3-0514904052)

(ندائے خلافت لاہور 9 تا15 دسمبر 2015ء)

ملک بھر کے نجی تعلیمی اداروں میں

''آئی ایم ناٹ ملالہ'' ڈے منایا گیا

آل پاکستان پرائیویٹ سکولز فیڈریشن کی کال پر ملک بھر کے پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں "I am not malala day" منایا گیا۔ اس موقع پر ملالہ کی کتاب "I am malama" کے بارے میں آگاہی سیمینارز، سیشن اور واک کا اہتمام کیا گیا۔ آل پاکستان پرائیویٹ اسکولز فیڈریشن کے صدر مرزا کاشف علی کی زیر صدارت پریس کانفرنس اور سیمینار ہوا۔ دیگر صوبائی صدور ملک ابرار حسین، شاہد نور، فیصل رضوان، عبدالرشید کاکڑ، سلیم خان اور وجاہت بیگ بھی شامل تھے۔ مرزا کاشف علی نے کہا کہ ملک بھر میں ہر سال 10 نومبر کو ''آئی ایم ناٹ ملالہ ڈے'' منایا جائے گا اور نجی سکولوں میں کتاب پر پابندی برقرار رہے گی۔ فیڈریشن نے فیصلہ کیا ہے کہ ملک بھر کے پرائیویٹ سکولز کسی بھی صورت مذکورہ کتاب کو اپنی لائبریریوں یا دیگر نصابی سرگرمیوں کا حصہ نہ بننے دیں گے۔ ہر سال اساتذہ کتاب سے متعلق حقائق کو عوام کے سامنے لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ طلبہ کو یہ بتانا ضروری ہے کہ ملالہ نے اپنی کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس بات پر بھی بحث ہونی چاہیے کہ اس نے ملعون سلمان رشدی کی کتاب پر اپنے باپ کے حوالے سے آزادی رائے کے حق کی بات کیوں کی اور ایسا کرنا کیوں انتہائی غلط ہے اور ملالہ کیوں ملعون سلمان رشدی کی وکالت کرنے اور ملعونہ تسلیمہ نسرین کی چھوٹی بہن بننے پر فخر محسوس کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملالہ کی کتاب اسلامی تعلیمات اور نظریۂ پاکستان سے متصادم ہے اور قائداعظم اور علامہ اقبال کے نظریے کے بھی خلاف ہے۔

الحمد للہ

ماہنامہ حکمت بالغہ

نومبر 2014ء

کا شمارہ

جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش

اپنے موضوع پر

ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے

اور محدود تعداد میں دستیاب ہے

خود مطالعہ کریں ___ دوستوں کو تحفہ دیں

166 صفحات قیمت: 150 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7630861-7630863